دل کے دریا کو کسی روز اتر جانا ہے
اتنا بے سمت نہ چل لوٹ کے گھر جانا ہے
میں کھلا ہوں تو اسی خاک میں ملنا ہے مجھے
وہ تو خوشبو ہے اسے اگلے نگر جانا ہے

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

ابوبکر کا تعلق کھاتے پیتے گھرانے سے ہے مگر اپنی سوتیلی ماں سے ہونے والے جھگڑوں کی بدولت وہ ہادیہ کے گھر بطور ڈرائیور کام کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور اپنے گھر والوں سے ہمیشہ کے لیے تعلق توڑ لیتا ہے ہادیہ اس کی ذہانت سے متاثر ہوتے یک طرفہ محبت میں مبتلا ہو جاتی ہے جبکہ ابوبکر اس کے جذبوں کو پذیرائی بخشنے کے بجائے اسکالر شپ پر بغیر کسی کو اطلاع دیئے باہر چلا جاتا ہے۔ یہاں اس کی دوستی سہیل سے ہو جاتی ہے، رابعہ یہ سب جان کر دنگ رہ جاتی ہے وہ ہادیہ اور ابوبکر کو ملانے کی خاطر تمام صورت حال اپنے ماموں کو بتا کر خود اس رشتے سے دستبردار ہو جاتی ہے۔ شہوار یہ جان کر دنگ رہ جاتی ہے کہ ولید اور انا کا رشتہ ختم ہو گیا ہے جبکہ مصطفیٰ کا کزن حماد، انا کے لیے رشتہ بھیجنے پر بضد ہے۔ دوسری طرف شائستہ ان کے گھر پہنچ کر شہوار سے اس کی دوست کے متعلق جاننا چاہتی ہیں ان کی اس باز پرس پر شہوار خاموش رہ جاتی ہے۔ وہ اور مصطفیٰ اپنے طور انا اور ولید سے بات کرتے ہیں لیکن دونوں ہی اس موضوع پر بات کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ وقار انا کی ہٹ دھرمی کے ہاتھوں مجبور ہو کر حماد کے گھر والوں کو بلانے پر آمادہ ہو جاتے ہیں جبکہ ضیاء انہیں اس فعل سے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ولید بھی اس زبردستی کے رشتے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ روشی کے سمجھانے پر وہ دھمکی آمیز کالز کی بابت انا سے دریافت کرتا ہے لیکن وہ صاف انکار کر دیتی ہے جب ہی ولید اس کے نمبر سے تمام معلومات حاصل کرنے کا کہہ کر اسے حماد سے رشتہ طے ہو جانے کی خوش خبری سناتا ہے اس بات پر دونوں میں مزید تکرار بڑھ جاتی ہے۔ کاشفہ انا کے گھر پر رابطہ کر کے ولید سے ملاقات کے لیے اس پر دباؤ ڈالتی ہے جبکہ روشی اس بار اس دھمکی آمیز کالز کے متعلق گھر کے دیگر افراد کو بتا کر انا کو بچانے کی بھرپور کوشش کرتی ہے۔ زیب النساء کی ماں کی وفات کے بعد چوہدری حیات علی کا زیادہ وقت شہر میں گزرتا ہے جس پر ان کی بیوی اور ان کے درمیان تلخ کلامی ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف زیبی کی گرتی طبیعت کے پیش نظر وہ وہاں رکنے پر مجبور ہو جاتے ہیں جب ہی وہاں ان کی ملاقات اپنے دوست اور اس کی بیوی ہاجرہ سے ہوتی ہے اور وہ اسے اپنی شادی کے متعلق آگاہ کرتے ہیں۔ ہاجرہ اور زیبی میں اس مختصر سی ملاقات کے بعد کافی دوستی ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف چوہدری حیات علی اپنی خفیہ شادی کے متعلق بابا جان کو تمام حقیقت بتا کر انہیں حیرانی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ ایاز کی ضمانت ہو جانے پر مصطفیٰ ایک نئی پریشانی کا شکار ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف ایاز بھی بدلہ لینے کی خاطر پوری طرح تیار ہوتا ہے اُدھر مصطفیٰ کی پھپو زاہرہ انا اور حماد کے رشتے کی خاطر ان کے گھر پہنچ جاتی ہیں اور جلد ہی شادی کی تاریخ طے کرنے کا کہتی ہیں۔

﴿اب آگے پڑھیے﴾

احسن کا حیرت سے برا حال تھا۔

روشی نے گزرے دنوں اور آج کل میں رونما ہونے والے تمام واقعات سنائے تو احسن نے بے یقینی سے روشی کو دیکھا۔

''تم نے یہ سب پہلے کیوں نہیں بتایا ہمیں؟'' صبوحی اور وقار الجھے ہوئے تھے احسن نے پوچھا تو روشی نے ایک گہرا سانس لیتے بے تاثر بیٹھے بھائی کا چہرہ دیکھا۔

''میں نے ولید بھائی کو بتایا تھا۔'' احسن نے ولید کو دیکھا ولید احسن کے دیکھنے پر سیدھا ہوا۔

''میں نے انا سے بات کی تھی۔''

''تو پھر؟''

''وہ ٹال گئی تھی۔'' ولید کا انداز سنجیدہ تھا۔

''مجھ سے بات کرتے ہم پتا کراتے کیا سلسلہ ہے یہ اگر انا کچھ چھپا رہی ہے ہم سے تو ہم خود پتا لگانے کی کوشش کرتے۔'' احسن ابھی بھی یہ سب ماننے کو تیار نہ تھا کہ انا یہ سب کر رہی ہے۔

''میں خود بات کرتا ہوں انا سے ایسا کون ہے جو اسے مس یوز کر رہا ہے۔'' احسن بے حد جذباتیت سے کہہ کر جانے لگا تھا۔

''کوئی فائدہ نہیں وہ کچھ نہیں بتائے گی۔'' ولید کے کہنے پر احسن رکا۔

''اس طرح ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بھی نہیں بیٹھ سکتے اگر روشی اس کی کالز سن چکی ہے تو اس کا مطلب ہے کوئی بات ہے ضرور۔''

''میں نے ایک آدمی سے کہا ہے وہ آج کل میں انا کے نمبر سے ہونے والی کالز کی لوکیشن ٹریس کر کے ہمیں تفصیل فراہم کر دے گا۔ اس کے بعد ہی کچھ کیا جا سکتا ہے۔ انا نے اگر بتانا ہوتا تو کچھ چھپاتی ہی کیوں اس لیے اس پر دماغ لڑانے اور وقت ضائع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔'' ولید کے کہنے پر احسن بیٹھ گیا تھا۔

''اور یہ رشتہ؟'' اس ساری گفتگو سے صبوحی کے اندر ایک نئی آس پیدا ہوئی تھی۔

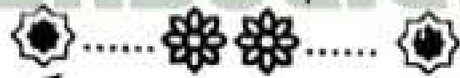
''رشتہ تو اب ہوگا، وہ خاندانی لوگ ہیں اور میں ان لوگوں سے بات کر چکا ہوں ولید اپنا بیٹا ہے اس سے رشتہ ختم ہونے پر دل کو بہت تکلیف ہے لیکن میں اب اپنی زبان سے نہیں پھروں گا اس صورت میں کہ انا خود یہاں شادی کرنا چاہتی ہے۔'' روشی، ولید اور احسن کی گفتگو کے باوجود وقار صاحب کے رویے میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا اب بھی ان کا انداز حتمی اور فیصلہ کن تھا۔

''لیکن وقار ایک دفعہ پھر سوچ لیں، ہو سکتا ہے روشی بیٹی ٹھیک کہہ رہی ہو، ہم ان لوگوں سے بات کر لیں گے معذرت کر لینے میں کیا حرج ہے۔'' ضیاء صاحب کے لہجے میں ایک بار پھر نئی آس اور امید پیدا ہوئی تھی۔

''نہیں بابا، حماد سے شادی انکل سے زیادہ انا کا ذاتی فیصلہ ہے اور ہم زبردستی کسی کو بھی کسی ان چاہے بندھن کے لیے قائل نہیں کر سکتے جو ہو رہا ہے جیسا ہو رہا ہے ہونے دیں۔'' ولید کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے انداز میں مضبوطی اور اٹل پن تھا۔

ضیاء صاحب کی ساری امیدیں ایک دم ٹوٹ سی گئی تھیں۔ انہوں نے بے چارگی سے ولید اور پھر بہن اور

بہنوئی کو دیکھا تھا۔ صبوحی اور روشی نے خاموشی سے نم آلود نگاہوں سے ولید کو جاتے دیکھا تھا۔



چوہدری سراج علی کا غم و غصے سے برا حال تھا۔ انہوں نے اپنے کم عمر بیٹے کی شادی اپنی خواہش پر کروائی تھی ان کی وسیع و عریض اراضی کا تنہا وارث انہیں بے تحاشہ خدشات رہتے تھے انہوں نے اس کی ساری ایجوکیشن کے دوران بیٹے پر کڑی نگاہ رکھی تھی ان کا بیٹا اس قدر سعادت مند تھا کہ کبھی ان کے سامنے اس نے سر نہیں اٹھایا تھا۔ ہمیشہ ان کے حکم پر سر جھکانے والا بیٹا اب بتا رہا تھا کہ وہ ایک ایسی لڑکی سے شادی کر چکا ہے۔ جس کا نہ کوئی خاندان تھا اور نہ ہی کوئی مالی حیثیت۔ ان کے سینے پر سانپ لوٹ رہے تھے۔

''تم جو بھی حماقت کر چکے ہو ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہمارے لیے ہماری ایک ہی بہو ہے اور وہ ہماری بھتیجی ہے۔ تم فوراً سے پیشتر اس لڑکی کو فارغ کر دو۔'' ان کا انداز حتمی دو ٹوک اور فیصلہ کن تھا۔

''میں اسے فارغ نہیں کر سکتا، وہ نہ صرف میری بیوی ہے بلکہ میرے ہونے والے بچے کی ماں بھی ہے۔'' یہ انکشاف ایسا تھا کہ چوہدری سراج علی گنگ رہ گئے تھے۔

''نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔'' انہوں نے اپنے اس بیٹے پر ساری زندگی صرف کی تھی۔ اس کی تربیت میں کوئی جھول کوئی کمی نہیں آنے دی تھی۔ پھر اب کہاں جھول آ گیا تھا۔

''تم میری بھتیجی کے ساتھ زیادتی کر رہے ہو حیات علی۔'' وہ طیش سے چیخے۔

''گستاخی معاف بابا صاحب میں نے زبیدہ کے سب حقوق پورے کیے ہیں کبھی کوئی کمی نہیں آنے دی اپنے سے بڑی عمر کی عورت سے نباہ کرنا بڑے دل گردے کا کام ہے اور میں نے کبھی زبان پر شکوہ تک لانے کی کوشش نہیں کی۔'' سر جھکائے مودب لہجے میں دل کی بات کی تھی۔

''تم ......!'' وہ ایک دم اپنی لاٹھی ٹیکتے کھڑے ہوئے۔

''تم آج اس قابل ہو گئے ہو کہ اپنے باپ کے سامنے سر اٹھا سکو۔'' ہمیشہ فرماں بردار نظر آنے والا بیٹا اس وقت مختلف روپ میں ان کے سامنے تھا ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کچھ کر بیٹھیں۔

''میں سر نہیں اٹھا رہا بابا صاحب، اسلام ہمیں چار شادیوں کی اجازت دیتا ہے وہ لڑکی مجھے اچھی لگی تھی اور میں نے کوئی غلط راہ نہیں اپنائی اپنے دل کی خواہش پر اس سے نکاح کر کے اپنے گھر میں بسانے کی کوشش کی ہے وہ اب آپ کی بہو ہے اور میری بیوی۔''

''مت کہو اس حرافہ کو میری بہو۔'' وہ طیش سے چلائے۔

''بابا صاحب آپ زیادتی کر رہے ہیں۔'' حیات علی نے فوراً احتجاج کیا۔

''کوئی آوارہ، راہ چلتی لڑکی بھلا ہماری خاندانی بہو بیٹی کا کیسے مقابلہ کر سکتی ہے ہم تمہاری غلطی کو یکسر فراموش کر دیں گے بس تم آج ہی اس لڑکی کو فارغ کر دو، ہم دوبارہ اس لڑکی کا ذکر بھی نہیں سننا چاہیں گے۔'' بابا صاحب غیض و غضب کی تصویر بنے ہوئے تھے۔

''وہ نہ آوارہ ہے اور نہ ہی کوئی راہ چلتی بدچلن عورت۔ میں نے اس سے نکاح کر کے کوئی گناہ نہیں کیا اور نہ ہی میں اسے فارغ کروں گا۔ وہ اب ہماری عزت ہے میں نے صرف آپ کو بتانا تھا جو بتا دیا۔'' وہ کہہ کر کمرے سے نکل گئے اور بابا صاحب حیرت سے گنگ بیٹے کے باغیانہ انداز و اطوار کو دیکھ رہے تھے۔ ان کا غم و غصے سے برا حال تھا۔

دریہ کو شاپنگ کے لیے جانا تھا ماں جی اسے تنہا ڈرائیور کے ساتھ بھیجنے پر راضی نہ تھیں شہوار کالج سے لوٹی تو کھانا کھا کر لیٹی تھی آج تھکن سی ہو رہی تھی۔ ویسے بھی اپنی طبیعت کے سبب وہ بہت احتیاط کر رہی تھی آج بھی کالج سے جلدی لوٹ آئی تھی۔ ماں جی اس کے کمرے میں چلی آئی تھیں۔

''دریہ شاپنگ پر جانے کی ضد کر رہی ہے۔ میرے ساتھ جانے پر راضی نہیں ڈرائیور کے ساتھ اکیلی جانا چاہتی ہے پرائی بچی ہے کوئی بات مانتی ہی نہیں لائبہ بھی بھائی کے ہاں گئی ہوئی ہے وہ ہوتی تو اسی کے ساتھ بھیج دیتی۔'' شہوار نے خاموشی سے ماں جی کا مدعا جاننا چاہا۔

''ایسا کرو تم ساتھ چلی جاؤ طبیعت تو تمہاری بھی خیال رکھنے والی ہے لیکن وہ لڑکی مانتی ہی نہیں۔'' انہوں نے کہا تو شہوار مسکرائی۔

''آپ ٹینشن نہ لیں میں چلی جاؤں گی کس وقت جانا ہے؟''

''جیتی رہو، میں پوچھ کر بتاتی ہوں۔'' وہ اس کا سر تھپتھپا کر چلی گئی تھیں۔

وہ اٹھ کر تیار ہوئی ہی تھی کہ کچھ دیر میں ملازمہ پیغام لیے چلی آئی تھی وہ اپنا بیگ اور چادر اٹھا کر باہر آئی تو دریہ ماں جی سے بحث میں مصروف تھی۔

''میں شہوار کے ساتھ کیوں جاؤں اکیلے جانے میں کیا حرج ہے۔'' شہوار اس کی بات سن کر رک گئی۔

''دیکھو بیٹا ہمارے خاندان میں اکیلے لڑکی ذات کو یوں منہ اٹھا کر باہر بھیج دینے کا کوئی رواج نہیں تم جب تک ادھر ہو ہماری ذمہ داری ہو اور تمہیں ہماری روایات کا احترام کرنا ہوگا۔'' ماں جی کا انداز قدرے سخت اور دو ٹوک تھا۔

''اف...... یہ روایات۔'' وہ منہ بگاڑ کر پلٹی تو شہوار کو کھڑے دیکھ کر اس کے چہرے کے زاویے ایک دم بگڑے تھے اور نہایت تنقید سے اس نے شہوار کو دیکھا تھا۔

''جاؤ ڈرائیور کو کہو گاڑی نکال لے۔'' انہوں نے ایک طرف کھڑی ملازمہ کو کہا تو وہ فوراً باہر نکل گئی۔

ڈرائیور نے گاڑی نکالی تو دریہ بہت زیادہ بگڑے موڈ کے ساتھ پچھلے حصے کی طرف بڑھی تھی ماں جی بھی باہر تک آئی تھیں شہوار بیٹھی تو دریہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی اور سارا رستہ دونوں نے کوئی بات چیت نہ کی تھی۔

دریہ کسی نہ کسی کے ہمراہ کئی بار شاپنگ کے لیے آچکی تھی اسے شاپنگ مالز کا اندازہ تھا وہ خود ہی ڈرائیور کو ہدایات دیتی رہی تھی۔ اس کی ہدایت پر ڈرائیور نے ایک پلازہ کے سامنے گاڑی روکی تو دریہ بڑے تنفر سے باہر نکلی تو شہوار بھی پیچھے ہولی تھی۔

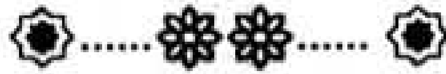
وہ پلازہ میں موجود مختلف شاپس میں جا رہی تھی شہوار بالکل خاموش اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ دریہ کچھ بھی خرید نہیں رہی تھی بس ادھر ادھر گھوم رہی تھی۔

''اس طرح ادھر سے ادھر گھومنے کا کوئی فائدہ نہیں خوامخواہ ہر کوئی دیکھ رہا ہے۔ تم اچھی طرح ڈیسائیڈ کر لو کہ تم نے کیا لینا ہے اور پھر اسی شاپ میں جاؤ۔'' اسے ایک ہی جگہ کا کوئی چوتھی بار چکر لگاتے دیکھ کر شہوار مجبوراً بولی۔

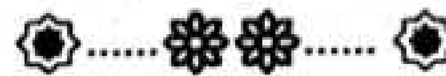
''میں نے تم سے مشورہ نہیں مانگا۔'' وہ ایک دم بدتمیزی سے بولی۔

''میں بھی ہر سر پھرے کو مفت مشورہ دینے کی قائل نہیں۔'' اس کے مسلسل انسلٹنگ انداز پر شہوار بھی کہے بغیر نہ رہ سکی تھی وہ رک اور دریہ نے غصے سے دیکھا۔

''شٹ اپ، مائنڈ یور لینگو یج۔'' دریہ ایک دم لڑنے کو تیار کھڑی ہوگئی تھی۔
''یو ٹو مائنڈ یور لینگو یج۔'' شہوار نے بھی تپ کر کہا۔
''مجھے ماں جی نے ساتھ بھیجا ہے یہ مت بھولو۔''
''تمہیں اگر برداشت نہیں ہو رہا تو تم جا کر گاڑی میں بیٹھ سکتی ہو۔'' نہایت بدتمیزی سے وہ راہ چلتے کسی بھی انسان کی پروا کیے بغیر اونچی آواز میں بول رہی تھی۔
''مجھے ماں جی نے تمہارے ساتھ بھیجا ہے میں کیوں گاڑی میں بیٹھوں۔'' شہوار نے بھی جواب دیا۔
''گو ٹو ہیل۔'' وہ پاؤں پٹخ کر آگے کی طرف چل دی۔ اس طرح پبلک میں شہوار کو دریہ کا رویہ ایک دم شدید انسلٹنگ سا لگا تھا۔
اس نے لب بھینچ لیے تھے کئی لوگوں نے پلٹ پلٹ کر دونوں کو ایک دوسرے سے الجھتے اور پھر دریہ کو آگے بڑھتے دیکھا تھا۔ کچھ کے چہروں پر سارے منظر سے محظوظ ہونے والی مسکراہٹ تھی۔ شہوار کو ایک دم شدید سبکی کا احساس ہوا تھا۔ ایک دو لڑکیوں نے گزرتے ہوئے نہایت شریر مسکراہٹ سے شہوار کو دیکھا تو شہوار کو اپنا چہرہ توہین کے احساس سے جلتا محسوس ہوا تھا۔
اس کا شدت سے جی چاہا کہ فوراً یہاں سے چلی جائے۔ اس نے جلتی ہوئی نگاہوں سے دریہ کو سیڑھیاں چڑھتے اوپر کی طرف جاتے دیکھا تھا۔
''ایکسیوز می۔'' وہ اپنی جگہ ساکت سی کھڑی تھی جب اس آواز پر پلٹی تھی اس کے سامنے ایک شناسا چہرہ کھڑا تھا۔

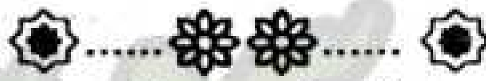


ایاز مسلسل ان کے تعاقب میں تھا۔ اسے ضمانت پر رہا ہوئے آج تیسرا دن تھا۔ وہ انتقام سے پاگل ہو رہا تھا لیکن اس بار وہ کوئی جذباتی قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا وہ بہت سوچ سمجھ کر سب کچھ کرنا چاہتا تھا عبدالقیوم کا پلان یہاں سے موو کرنے کا تھا جبکہ ایاز یہاں سے بھاگنے سے پہلے اپنے دشمنوں کو ایک بھاری نقصان ضرور پہنچانا چاہتا تھا۔ اس نے کل سے کچھ آدمی مصطفیٰ اور شہوار کے تعاقب میں لگا رکھے تھے اور خوش قسمتی سے اسے آج ایک اچھا موقع مل گیا تھا۔ اسے شہوار اور دریہ کے تنہا شاپنگ پر آنے کا علم ہوا تھا دو لڑکیوں کو زیر بار کرنا کوئی بڑا مسئلہ نہ تھا۔ وہ فوراً پلازہ پہنچا لیکن مسلسل تعاقب کے بعد اسے ایک جگہ دونوں تنہا مل ہی گئی تھیں۔ دونوں کسی بات پر الجھ رہی تھیں۔ مقابل لڑکی کے تیور اور چہرے کے تاثرات بہت نفرت چھلکاتے محسوس ہوئے تھے اردگرد چلتے لوگ دونوں کی تکرار سے محظوظ ہو رہے تھے۔ کچھ فاصلے پر رہنے کے باوجود ایاز اچھی طرح محسوس کر گیا تھا کہ دوسری لڑکی شہوار کے لیے نفرت رکھتی ہے۔
وہ الجھ کر کچھ کہہ کر ایک طرف چل دی تھی۔ اردگرد موجود لوگ بھی کم تھے یہ ایک سنہرا موقع تھا وہ خاموشی سے آگے بڑھا تھا لیکن شہوار کے سامنے دائیں طرف سے ایک آدمی آ رکا تھا۔ ایاز کے قدم وہیں ٹھٹک گئے۔



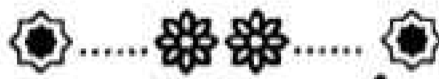
''السلام علیکم کیسی ہیں آپ؟'' شہوار نے حیران ہو کر دیکھا تھا۔ اس کے سامنے آ کر رکنے والا شخص اس کا کالج فیلو ہاشم تھا۔
جب پہلی بار ہاشم اور ایاز کے درمیان شہوار کی وجہ سے جھگڑا ہوا تھا تو تب سے ان دونوں کے درمیان ہلکی

پھلکی بات چیت اور سلام دعا رہنے لگی تھی۔
"وعلیکم السلام، میں ٹھیک ہوں آپ سنائیں؟" شہوار ہلکا سا مسکرائی۔
"اللہ کا کرم ہے یہ لڑکی کون تھی میں سن تو نہیں سکا لیکن دیکھ رہا تھا وہ آپ سے کافی الجھ رہی تھی خیریت تھی نا۔"
شہوار ہلکا سا مسکرائی۔
"جی بالکل، یہ مصطفیٰ کی کزن ہے کچھ موڈی سی ہیں اکیلے شاپنگ پر آنا چاہتی تھیں لیکن ہمارے خاندان میں اس کا رواج نہیں زبردستی اس کے ساتھ بھیجا گیا ہے جس پر وہ خفا ہے۔" شہوار نے ہنس کر بتایا۔
"اوہ آئی سی۔"
"کچھ زیادہ ہی موڈی ہیں۔ اس طرح پبلک پلیس میں اس طرح کا رویہ رکھنا اور اونچی آواز میں بات کرنا اخلاقیات کے دائرے میں تو نہیں آتا میں سمجھا کہ شاید کوئی لڑائی جھگڑا چل رہا ہے سوچا مدد ہی کر دوں۔" شہوار ہنس دی۔
"آپ کو میں لڑائی جھگڑے کرنے والی لڑکی لگتی ہوں کیا؟"
"بالکل نہیں لیکن مقابل کے تیور دیکھ کر ضرور لگا تھا کہ فوراً سے پیشتر ضرور ہاتھ اٹھا دینے والی ہیں لیکن خیریت رہی۔" شہوار ایک گہرا سانس لے کر مسکرا دی۔



ایاز تھوڑا سا مزید آگے بڑھا لیکن شہوار اور ہاشم کو ایک ساتھ کھڑے دیکھ کر چونکا تھا۔
"دونوں اس وقت یہاں؟" اسے کچھ سمجھ نہیں آئی تھی۔
ہاشم ایک نڈر، بہادر اور بے خوف و خطر کسی کی بھی مدد کے لیے کود پڑنے والا انسان تھا۔ ہاشم سے ہونے والا آخری جھگڑا وہ ابھی بھی بھولا نہ تھا۔ وہ اگر اس وقت آگے بڑھتا یقیناً معاملہ خراب ہو سکتا تھا جبکہ اس بار وہ سب کچھ بہت پلاننگ سے کرنا چاہتا تھا اس قدر کامیابی سے کہ کسی بھی قسم کی شکست کا سامنا نہ کرنا پڑے۔
اس نے اس وقت ان دونوں کے پاس جانے کا خیال ترک کر دیا تھا۔ وہ خاموشی سے چلتا ہوا اسی طرف چلا آیا تھا جہاں دوسری لڑکی گئی تھی کچھ دیر کی تلاش کے بعد اسے وہ لڑکی ایک شاپ سے بڑا سا شاپنگ بیگ اٹھائے نکلتی دکھائی دی وہ چلتی ہوئی اس طرف آ رہی تھی۔ ایاز نے ایک پل کو اسے دیکھا تھا۔ وہ بے انتہا خوب صورت لڑکی تھی اور خوب صورت لڑکیاں اسے بہت اٹریکٹ کرتی تھیں۔
وہ تیزی سے آگے بڑھا اور پھر اس لڑکی کے پاس سے گزرتے اس نے اس لڑکی سے ٹکرانے کا ڈرامہ کیا تھا لڑکی ایک دم دائیں طرف گری تھی اس کا بیگ اور شاپنگ بیگ بھی زمین پر گر گئے تھے۔
"ہاؤ ڈیئر یو۔" وہ لڑکی چلائی۔
"ایم سوری میم، ایم سو سوری۔" ایاز ایک دم اس کے پاس رکا تھا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھنے میں مدد دی اور پھر شولڈر بیگ اور شاپنگ بیگ بھی اٹھا کر اسے تھمائے تھے۔
"پاؤں پھسل گیا تھا اور آپ سے ٹکرا گیا۔" چہرے پر حد سے زیادہ معصومیت طاری تھی۔ دریہ نے اپنے غصے پر کنٹرول کرتے اسے گھورا اور پھر چلنے لگی۔
"آیئے میں آپ کو باہر تک چھوڑ آتا ہوں۔" اس نے کہا تو دریہ نے کوئی ریسپانس نہیں دیا وہ چلتی ہوئی اسی طرف آ گئی جہاں وہ شہوار سے الجھ کر اکیلی اس طرف آئی تھی۔ شہوار ابھی بھی وہی تھی لیکن ایک طرف رکھے بینچ پر

بیٹھی ہوئی تھی ایک لڑکا اس کے پاس کھڑا تھا۔
کافی اٹریکٹیو اور ڈیسنٹ لڑکا تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے کوئی بات بھی کر رہے تھے وہ چونکی تھی۔
"یہ کس سے بات کر رہی ہے؟" وہیں رک کر وہ بڑبڑائی۔
"یہ لڑکا اس لڑکی کا کلاس فیلو ہے۔" ایاز نے اس کی بڑبڑاہٹ کے جواب میں بتایا تو وہ چونک کر دیکھنے لگی۔
"تم جانتے ہو اس کو؟" اس نے حیران ہو کر پوچھا۔
"بہت اچھی طرح۔" وہ نفرت سے شہوار کو دیکھتے بولا۔
"یہ میرے کزن کی وائف ہے۔" انداز میں نفرت اور جلن کے جذبات تھے وہ مسکرایا۔
"اوہ......" وہ ریلیکس ہوا تھا۔
"اس لڑکے اور اس لڑکی کا کالج میں بڑا زبردست افیئر چلا تھا میں بھی اسی کالج میں پڑھتا ہوں لیکن پھر اس لڑکی نے شادی کر لی لیکن دونوں کی محبت اب بھی برقرار ہے۔"
"اوہ......" ایاز کے الفاظ پر وہ حیران ہو رہی تھی۔
"لیکن یہ ایسی لگتی تو نہیں؟" وہ بڑبڑائی۔
"اچھی صورتوں پر مت جائیں بعض اوقات اچھی صورتوں کے پیچھے بھی برے چہرے چھپے ہوتے ہیں۔ آپ اس بات سے ہی اندازہ لگالیں کہ ایک عام سی لڑکی ہونے کے باوجود وہ ایک بہت بڑے خاندان کی بہو بنی ہوئی ہے کیسے؟" دریہ نے حیرانی سے پلٹ کر ایاز کو دیکھا
"بہو تو تم بھی بن سکتی تھیں مگر......!"
"کون ہو تم۔"
"یہ چھوڑو، اگر تم واقعی اس لڑکی کو اپنے رستے سے ہٹانا چاہتی ہو تو اس نمبر پر رابطہ کر لینا میں تمہارے کام آ سکتا ہوں۔" اس نے جیب سے ایک کارڈ نکالا تھا اس پر ہاتھ سے ایک نمبر لکھا یہ اس پلازہ کی شاپ کا کارڈ تھا لیکن یقیناً نمبر ان کا نہ تھا۔ نمبر دیکھ کر اندازہ ہو گیا تھا کہ کچھ پل پہلے ہی یہ نمبر لکھا گیا تھا۔ دریہ نے کارڈ لے لیا تھا۔
"لیکن پھر بھی تم کون ہو، اتنا سب کچھ کیسے جانتے ہو؟" دریہ الجھی ہوئی تھی۔ ایاز مسکرا دیا۔
"کہا نا اس کو چھوڑیں، ویسے بھی آپ کو آم کھانے سے غرض ہونی چاہیے پیڑ گننے سے نہیں بیسٹ آف لک میں آپ کی کال کا انتظار کروں گا۔" وہ کہہ کر وہاں سے تیزی سے ایک طرف نکل گیا اور دریہ حیرت سے اس عجیب و غریب شخص کو دیکھ رہی تھی۔



ولید آفس میں تھا جب اسے کال آئی وہ آفس سے نکلا اور سیدھا اس آدمی کے پاس پہنچا گیا تھا سلام دعا کے بعد اس نے اسے تمام ڈیٹیلز کی لسٹ تھما دی تھی۔
"آپ کے دیے گئے نمبر سے ہونے اور کی جانے والی تمام کالز کا یہ ریکارڈ ہے۔ ٹائمنگ ڈوریشن ہر چیز موجود ہے۔" اس آدمی نے بتایا۔
"اور لوکیشن؟"
"وہ بھی درج ہے، جن ڈیٹس کی کالز کا آپ نے اسپیشلی کہا تھا میں نے اس پر ریڈ مارک لگا دیا ہے۔ زیادہ تر

اس پر کال ریسیو کی گئی ہیں۔'' اس آدمی نے ایک مارک شدہ نمبر پر انگلی رکھی۔

''یہ نمبر رجسٹرڈ نہیں تھا، آج کل یہ نمبر بند ہے۔'' اس نے مزید بتایا۔ ولید نے بغور دیکھا اور پھر اس کے سامنے درج لوکیشن۔

وہ ایک پل کو چونکا تھا اس نے جلدی سے اس نمبر پر آنے والی تمام کالز کو دیکھنا شروع کر دیا تھا مختلف لوکیشنز تھیں مگر کئی کالز پر سیم صرف وہی لوکیشن تھی جس پر وہ چونکا تھا۔

''اگر آپ چاہیں تو وائس ریکارڈ بھی مل سکتا ہے۔'' آدمی نے کہا تو ولید نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''تھینک یو سوچ ابھی تو ہم اس ریکارڈ سے چیک کر لیں اگر ہمیں ضرورت پڑی تو وائس ریکارڈ بھی طلب کر سکتے ہیں۔'' وہ لسٹ لے کر کھڑا ہو گیا۔ وہ ابھی گاڑی میں آ کر بیٹھا ہی تھا کہ اس کے موبائل پر صبوحی پھپو کی کال آنا شروع ہو گئی۔

''جی پھپو۔''

''گاڑی خراب ہو گئی ہے احسن کو کال کی تھی کہہ رہا تھا تم آفس سے نکل چکے ہو مجھے بھی پک کر لو۔''

''اوکے میں آتا ہوں۔'' وہ کال بند کر کے ہاتھ میں تھامی لسٹ ڈیش بورڈ پر رکھ کر گاڑی ڈرائیو کرنے لگا تھا۔ لیکن ذہن میں ایک جنگ سی چھڑی ہوئی تھی کئی بار وہ اوور ٹیک کرتے کسی گاڑی سے ٹکراتے ٹکراتے بچا تھا۔ وہ پھپو کی بتائی گئی جگہ پر پہنچا تو پھپو منتظر تھیں۔ اس نے ان کو پک کیا۔

''آج جلدی بوتیک سے نکل آئی ہیں طبیعت ٹھیک ہے۔'' اس نے پوچھا تو انہوں نے ایک گہرا سانس لیا۔

''بس سر میں شدید درد تھا انا کی پریشانی کچھ اور سوچنے ہی نہیں دیتی۔'' وہ غم زدہ سی تھیں۔ ولید کا چہرہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''وہ اپنا اچھا برا سب سمجھتی ہے وہ کوئی کم سن نہیں ہے اس نے اتنا بڑا فیصلہ کچھ سوچ سمجھ کر ہی کیا ہوگا آپ ٹینشن نہ لیں مصطفیٰ کی پھپو اور ان کی فیملی ایک قابل بھروسہ لوگ ہیں آپ پریشان نہ ہوں۔''

''اور تم......؟'' انہوں نے ایک دم اسے دیکھا۔

''کیا تمہیں کوئی دکھ نہیں۔'' ان کے الفاظ پر ولید نے لب بھینچ لیے تھے۔

''دکھ......!'' اس نے ایک پل کو سوچا۔

''میں پریکٹیکل انسان ہوں پھپو، جذبات اور احساسات کا تابع ہونے کے باوجود میں حقیقت پسندی پر نگاہ رکھتا ہوں جذباتی اور ایموشنل ہونا ایک فطری امر ہے اس سے بچ نہیں سکتا لیکن زبردستی کسی سے رشتہ جوڑنا بھی مجھ جیسے غیرت مند انسان کو زیب نہیں دیتا۔ مجھے اپنی سیلف ریسپیکٹ ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔ جس پر کوئی سمجھوتہ نہیں۔'' ولید کی بات سن کر وہ سسکنے لگی تھیں۔

ولید نے گاڑی کی اسپیڈ سلو کرتے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تسلی دینا چاہی تھی۔ تبھی ایک بائیک تیزی سے ان کے رستے میں آئی تھی ولید کا دھیان بھٹکا اور اس سے پہلے کہ گاڑی بائیک سے ٹکراتی ولید نے تیزی سے اسٹرینگ گھمایا لیکن گاڑی کا توازن بگڑ چکا تھا۔

گاڑی فٹ پاتھ سے ٹکراتے سائیڈ پر موجود چیزوں کو روندتے ایک عمارت سے جا ٹکرائی تھی گاڑی ایک سائیڈ کو لڑھک گئی تھی۔

''ولید......ولی......!'' صبوحی بیگم کی چیخیں پوری گاڑی میں گونج رہی تھیں۔

⁂ ...... ⁂⁂ ...... ⁂

ماموں اور سہیل دونوں نے ابوبکر سے بات کی تھی وہ قائل ہوا تھا یا نہیں رابعہ بے خبر تھی البتہ ماموں اور سہیل کے ہمراہ ہادیہ کے ہاں گئی تھی۔

ماموں نے ہادیہ کے والد کو ابوبکر کا رشتہ دیا تھا ماموں ایک سمجھدار انسان تھے انہوں نے بڑے سلجھے ہوئے انداز میں ہادیہ کی پسندیدگی کو بھی واضح کر دیا تھا۔ ہادیہ کا باپ الجھا تھا ماں البتہ خاموش تھی۔ رابعہ ہادیہ کے پاس آئی تو وہ پریشانی سے کمرے میں ٹہل رہی تھی۔

''میں بہت پریشان ہوں رابعہ۔'' رابعہ کے ہاتھ تھام کر وہ بولی۔

''ڈونٹ وری ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' اس نے تسلی دی تو وہ چند لمحے بغور رابعہ کو دیکھے گئی۔

''کیا دیکھ رہی ہو؟''

''دیکھ رہی ہوں کہ دوست تم جیسی بھی ہوتی ہے۔'' اس کی آواز رندھ گئی تو رابعہ نے اسے گلے سے لگالیا۔

''سب بھول جاؤ بس یہ یاد رکھو کہ ابوبکر تمہارا تھا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔''

''میں بہت زیادہ گلٹ محسوس کر رہی ہوں۔''

''کیوں بھئی؟'' اس نے جدا ہو کر گھورا۔

''دو دن بعد تمہاری شادی تھی۔'' ہادیہ نے کہا۔

''لیکن اب نہیں ہوگی۔''

''اور مجھے علم ہے میں جو بھی کر رہی ہوں سب اچھے کے لیے کر رہی ہوں تم میری بہن جیسی ہو تمہاری محبت، تمہارے احساسات مجھے اپنے ذات سے بڑھ کر عزیز ہیں۔'' اس کے آنسو صاف کرتے اس نے تسلی دی۔

''بابا مان جائیں گے نا؟'' وہ ابھی بھی خوف زدہ تھی۔

''ان شاء اللہ وکیل اچھا ہونا چاہیے مقدمہ جیتنا قطعی مشکل نہیں۔'' وہ مطمئن تھی ہادیہ کا دل ٹھہرنے لگا۔

''اور تمہاری شادی؟''

''وہ بھی ہو جائے گی جب اس کا وقت آئے گا۔ ابھی تم اپنی شادی کو انجوائے کرو اگر تمہارے والد مان جاتے ہیں تو دو دن بعد اس تاریخ کو ہم تمہارے نکاح کے لیے آئیں گے رخصتی بعد میں۔''

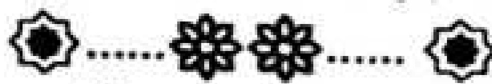
''یہ نمبر رکھ لو ابوبکر کا نمبر ہے تمہارے کام آئے گا۔'' رابعہ نے اسٹڈی ٹیبل پر سے ایک صفحہ نکال کر نمبر لکھ کر کاغذ اسے تھمایا۔ ہادیہ نے نمبر دیکھا اور پھر مسکرا دی۔

''تھینک یو سوچ، میں عمر بھر تمہارا یہ احسان نہیں بھول پاؤں گی۔''

''احسان نہیں کر رہی میں کوئی۔'' رابعہ ایک دم برا مانی۔

''میں دوستی کا حق ادا کر رہی ہوں۔'' ہادیہ ممنون ہوئی۔

''میں واقعی خوش قسمت ہوں کہ مجھے تم جیسی محبت کرنے والی ایک مخلص دوست ملی، میں جتنا بھی تم پر فخر کروں کم ہے۔'' وہ محبت سے مغلوب ہو کر پھر سے رابعہ کے گلے لگی اور رابعہ نے مسکرا کر اس کی پیٹھ تھپکی۔



وہ زیبن سے ملنے آئے تھے زیبن کافی تروتازہ اور صحت مند لگ رہی تھی۔ اس کو خوش دیکھ کر چوہدری حیات علی کے اندر سیروں خون بڑھا تھا۔ دونوں نے مل کر اپنے بچے کے لیے ڈھیروں شاپنگ کی، مستقبل کے خواب

سجائے تھے۔ وہ زیب النساء کو ہر دم ہنستا مسکراتا اور خوش دیکھنا چاہتے تھے سو وہ ہر کام کرتے جوان کی زیبن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کے نغمے سجا دے۔ وہ اسے لے کر اپنے دوست سبحان احمد کے گھر بھی گئے تھے۔ ان لوگوں نے اب واپس امریکہ چلے جانا تھا وہ جس مقصد کے لیے پاکستان آئے تھے وہ مقصد بھی پورا نہیں ہوا تھا وہ دونوں بے مراد ہی واپس لوٹنے والے تھے۔

حاجرہ (سبحان کی بیوی) غم زدہ تھی۔ زیب النساء اس کی دل جوئی کرتی رہی تھی۔ چوہدری حیات علی دو ہفتے زیبن کے ساتھ شہر میں رہے اور ان دو مہینوں میں وہ دونوں میاں بیوی ہر دوسرے دن سبحان کے ہاں چلے جایا کرتے تھے۔ سبحان کے گھر جوائنٹ فیملی سسٹم تھا جبکہ امریکہ میں وہ علیحدہ سیٹل تھا۔

دوسری طرف سبحان بھی حاجرہ کو لے کر چکر لگاتا رہتا تھا۔

سبحان کی فیملی اس پر دوسری شادی کر لینے پر زور دے رہی تھی جبکہ وہ حاجرہ سے بہت محبت کرتا تھا وہ حاجرہ کو دکھ نہیں دینا چاہتا تھا سو گھر والوں کی ضد کے سامنے ڈٹا ہوا تھا۔

زیبن کے لیے یہ دن بہت خوش گوار تھے اتنے دنوں کے بعد چوہدری حیات اس کے پاس رکے تھے۔ وہ اپنے آپ کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی سمجھ رہی تھی۔

اگلی صبح حیات علی نے چلے جانا تھا زیب النساء افسردہ تھی بستر پر بیٹھی گھٹنوں کے گرد کہنیاں لپیٹے وہ خاموشی سے حیات علی کو اپنا بیگ تیار کرتے دیکھ رہی تھی۔

حیات علی نے یہاں سے اپنی بیوی بچوں کے لیے بہت ساری خریداری کی تھی حیات علی اپنی بیوی زبیدہ کو شمالی علاقہ جات کی سیر و تفریح کا بتا کر آئے تھے اب واپسی پر تحائف تو لازمی تھے۔ پیکنگ کرتے حیات علی نے زیب النساء کو دیکھا تو رک گئے۔

''خاموش کیوں ہو؟'' وہ اس کے پاس آ بیٹھے تھے ہاتھ تھام کر محبت سے پوچھا۔

''آپ کی بیوی کیسی ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''کیوں؟''

''کیا وہ میرے جیسی خوب صورت ہے؟'' وہ کیوں کا جواب دے رہی تھی۔ حیات علی مسکرائے محبت سے دونوں ہاتھ میں چہرہ تھام کر اس پر جھک کر پیشانی پر مہر محبت ثبت کی۔

''نہیں، تم دنیا کی سب سے خوب صورت ترین لڑکی ہو۔''

''تو پھر آپ اس کے پاس زیادہ کیوں جاتے ہیں؟'' اس کی عمر جیسے اس کے سوالات تھے۔

''دیکھو زیبن وہ میری خاندانی بیوی ہے۔ اس کے پاس جانا میری مجبوری ہے۔''

''وہ خاندانی بیوی ہے تو میں کیا ہوں؟''

''خاندانی بیوی۔'' کے الفاظ زیبن کے ذہن پر ہتھوڑے کی طرح لگے تھے۔ حیات علی ایک دم سنبھلے تھے۔

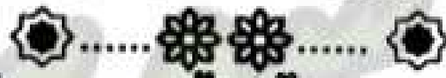
''تم تو میری جان ہو، میری محبت ہو۔'' انہوں نے اسے بہلانا چاہا تھا لیکن اس کا ذہن بھٹک گیا تھا۔

''آپ اپنے بچوں سے بہت محبت کرتے ہیں نا؟''

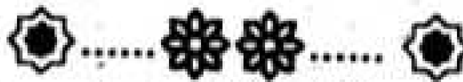
''سبھی والدین اپنے بچوں سے محبت کرتے ہیں یہ فطری جذبہ ہے دیکھنا جب ہمارا بچہ ہوگا نا تو ہم اس سے بھی بہت محبت کریں گے۔''

''لیکن میں اور میرا بچہ آپ کی اس خاندانی بیوی اور ان کے بچے کے برابر تو نہیں ہو سکتے نا۔'' اس نے ذہن

میں انکی بات کہہ دی تھی حیات علی نے گہرا سانس لیا۔
''ایسا کچھ نہیں، میں بابا صاحب سے بات کرچکا ہوں میں اس وقت ادھر تمہارے پاس ہوں ان کو بتا کر آیا تھا میں بس اس وقت کا انتظار کررہا ہوں جب وہ خود سے تمہیں میری بیوی قبول کرلیں میں تو اسی دن تمہیں اپنے ساتھ حویلی لے جاؤں گا۔'' حیات علی کا انداز اٹل تھا۔
''اور اگر انہوں نے مجھے قبول نہ کیا تو؟'' زیبن کے انداز میں خوف تھا حیات علی نے گہرا سانس لیا۔
''تو میں تمہیں قبول کرچکا ہوں کوئی قبول کرتا ہے یا نہیں مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا یہ ہمارا بچہ ہوگا اس کی بھی وہی حیثیت ہوگی جو میرے باقی بچوں کی ہوگی۔'' ان کے لہجے میں چٹانوں کی سی سختی تھی۔
''اور اگر آپ کے بابا صاحب نے آپ کو مجھے چھوڑ دینے پر مجبور کردیا تو؟'' اس کے اندر کے خوف ختم ہی نہیں ہورہے تھے انہوں نے بے اختیار اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔
اس بات سے تو وہ بھی خوف زدہ تھے بابا صاحب ابھی خاموش تھے اور وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ بابا صاحب کی خاموشی کبھی بے جا نہیں ہوتی۔
''میں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گا، میں جہاں کہیں بھی ہوں تم بس ایک آواز بھی دوگی میں چلا آؤں گا حیات علی تمہارا اور تمہارا ہی رہے گا دنیا کی کوئی بھی طاقت اسے تم سے جدا نہیں کرسکتی۔ دل سے ہر طرح کے وسوسے نکال دو بابا صاحب کو اپنے اکلوتے بیٹے کی ضد ماننا ہی ہوگی ورنہ پھر جو فیصلہ ہوگا وہ پچھتائیں گے۔''



وہ دونوں گاڑی میں تھیں شہوار مسلسل دریہ سے لاتعلق تھی۔ دریہ نے کئی بار اسے دیکھا تھا جبکہ ڈرائیور خاموشی سے گاڑی چلارہا تھا۔ شام ہورہی تھی۔
''وہ لڑکا کون تھا؟'' دریہ نے پوچھا تو شہوار نے پلٹ کر دیکھا۔
''کون؟''
''وہی جو پلازہ میں تمہارے ساتھ کھڑا تھا۔'' اس کا انداز طنزیہ تو شہوار کی بھنویں تن گئی۔
''تم سے مطلب؟'' دریہ طنزیہ مسکرائی۔
''مطلب تو بہت گہرا ہے تم مانو یا مانو...... ویسے تھا کافی ہینڈسم وہ لڑکا۔'' شہوار نے ناگواری سے اسے دیکھا۔
اسی اثنا میں گھر آ گیا تھا دریہ خاموش ہوگئی تھی۔ گاڑی رکی تو شہوار فوراً دروازہ کھول کر اترنے لگی تھی۔
''سنو......!'' شہوار رکی۔
''ویسے آج تمہارے ساتھ شاپنگ کرکے بہت مزہ آیا تھینکس۔'' وہ کہہ کر دوسری طرف سے نکل گئی اور شہوار اسے جاتے دیکھا۔



وہ کالج سے لوٹی تو سیدھی اپنے کمرے میں آ گئی چینج کرکے وہ باہر آئی تھی وہ آج کالج میں کافی بزی رہی تھی سو فارغ ہوتے ہوتے کافی لیٹ ہوگئی تھی۔
وہ کچن میں چلی آئی، بہت زوروں کی بھوک لگی تھی بہت دنوں بعد اس کا معدہ کچھ کھانے کو طلب کررہا تھا ورنہ دو دن سے وہ عجیب ماتمی انداز میں جی رہی تھی اگر کالج جانے کی مجبوری نہ ہوتی تو شاید وہ کمرے میں بند ہوکر رہ جاتی۔

وہ ابھی کھانا شروع کرنے ہی والی تھی جب باہر ٹیلی فون کی تیز گھنٹی بجی تھی۔ اس کا ہاتھ رک گیا تھا۔ اب تو جب بھی فون بجتا تھا اس کے دل کی دھڑکن رکنے لگتی تھی۔

لیکن فون تھا کہ بجتا ہی جارہا تھا روشی نجانے کہاں تھی پھر وہ اٹھ کر باہر آئی تھی۔ لاؤنج میں رکھا فون مسلسل بج رہا تھا اس نے ریسیور اٹھایا تو ہاتھ لرز رہے تھے۔

''ہیلو۔''

''میں احسن بول رہا ہوں۔'' دوسری طرف سے احسن تھا۔ انا کو لگا اس کی سانسیں ایک دم بحال ہوئی ہوں۔

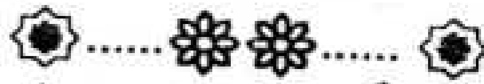
''جی بھائی۔''

''ماموں اور روشی کہاں ہیں؟'' احسن نے پوچھا۔

''دونوں شاید اپنے کمرے میں ہیں۔''

''اچھا بہت دھیان سے سنو۔'' احسن بھائی دوسری طرف کچھ کہہ رہے تھے انا کو لگا کہ جیسے اس کا وجود بالکل بے جان سا ہو گیا ہو۔

''انا...... سن رہی ہو نا...... انا......!'' دوسری طرف سے احسن بھائی کہہ رہے تھے اور کمزور دل انا کے ہاتھوں سے ریسیور پھسل گیا تھا۔

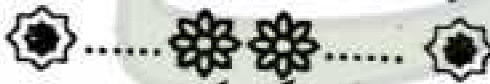


دریہ بہت خوش تھی وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ اس نے اپنا بیگ کھولا وہاں وہ کارڈ موجود تھا جو پلازہ میں ملنے والے لڑکے نے دیا تھا۔ اس کے دل میں ایک کھوج تھی ایک تجسس تھا۔ آخر وہ لڑکا کون تھا؟ وہ اتنا کچھ کیسے جانتا تھا؟

''اگر تم واقعی اس لڑکی کو اپنے رستے سے ہٹانا چاہتی ہو تو اس نمبر پر رابطہ کر لینا میں تمہارے کام آ سکتا ہوں۔'' الفاظ بار بار ذہن کے پردے پر دستک دے رہے تھے۔

''بہو تو تم بھی بن سکتی تھیں مگر......!'' دریہ کو لگا گویا ان الفاظ سے اس کے اندر بارود سا بھر گیا ہو۔

''اصل کہانی تو اب شروع ہو گی شہوار میڈم اب دیکھتی جاؤ کیا کرتی ہوں میں۔'' بہت طنزیہ مسکرا کر اس نے کارڈ پر درج نمبر اپنے موبائل پر ڈائل کرنا شروع کر دیا۔



مصطفیٰ آفس سے لوٹا تو کچھ الجھا ہوا تھا آج کل وہ کسی کیس میں بزی تھا اور مسلسل گھر سے غائب تھا گھر میں ٹکا بھی تو بہت کم رات میں بھی یہی شیڈول تھا۔ وہ گھر آیا اور آتے ہی مختلف جگہ نمبرز ملانے لگا تھا۔ شہوار اس کی اس روٹین سے الجھی ہوئی تھی اندر ہی اندر مصطفیٰ کی اس قدر بزی روٹین پر خفا بھی تھی لیکن زبان سے کچھ نہیں کہہ رہی تھی۔ مصطفیٰ کمرے میں آیا تب بھی موبائل اس کے کان سے لگا ہوا تھا۔

''ہاں ٹھیک ہے، تم ان پر کڑی نگاہ رکھو میں کچھ دیر میں پہنچ جاؤں گا۔'' نجانے کس کو کہہ رہا تھا اسے سلام بھی اشارے سے ہی کیا تھا۔

شہوار جو کچھ دیر قبل مغرب کی نماز پڑھ کر بیٹھی تھی اسی طرح انگلیوں پر تسبیح پڑھ رہی تھی اسے دیکھ کر سنجیدہ ہی رہی تھی۔

''مجھے کپڑے نکال دو میں ذرا ہاتھ لے لوں۔ کوئی شلوار قمیص نکالنا۔'' مصطفیٰ اسے کہہ کر تیزی سے واش روم

میں گھس گیا تھا۔

شہوار تسبیح ملتوی کرتے ہاتھ دعا کے انداز میں منہ پر پھیرتے بستر سے اتری اور الماری کھول کر مصطفیٰ کے استری شدہ کپڑے سفید شلوار قمیص نکال کر دوبارہ بستر پر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد مصطفیٰ کا موبائل پھر بج رہا تھا اس نے کال پک کی تھی۔

''تم ان کو فالو کرو میں کچھ دیر میں پہنچ جاؤں گا۔'' اس نے کہہ کر کال کاٹی اور پھر تیزی سے کپڑے اٹھا کر واپس واش روم میں گھس گیا۔ شہوار سنجیدگی سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔

مصطفیٰ لباس بدل کر باہر نکلا تو شہوار بستر سے اتر کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''یہ سب کیا ہے؟'' انداز میں غصہ تھا۔

''کیا ہے؟'' اس نے الٹا پوچھا انداز میں شرارت تھی۔

''ابھی آئے ہیں اور فوراً واپس چل دیے ہیں کچھ علم بھی ہے دو دن سے ہم دونوں نے ٹھیک سے ایک دوسرے کی شکل تک نہیں دیکھی بات کرنا تو دور کی بات ہے۔'' وہ غصے سے کہہ رہی تھی۔ مصطفیٰ مسکرا دیا۔

''بزی ہوں یار۔'' اسے بازو کے حصار میں لیتے اس نے بہلانا چاہا۔ جانتا تھا کہ وہ اس روٹین سے کتنی فیڈ اپ ہو جاتی ہے بلکہ خوف زدہ۔

''بات نہیں کریں مجھ سے' سارا وقت ڈرتے خوف کھاتے گزر جاتا ہے کہ پتا نہیں کہاں ہیں کیا کر رہے ہیں۔ اوپر سے دو دن سے غائب ہیں مسلسل۔'' شہوار کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس سے لڑ پڑے۔

''دیکھو شہوار۔'' مصطفیٰ نے کچھ کہنا چاہا تھا لیکن اس کا موبائل پھر بج اٹھا۔

''دیکھو پھر کال آ گئی میں لیٹ ہو رہا ہوں یار واپسی پر بات ہو گی۔'' وہ تیزی سے ہاتھ چلانے لگا۔ بال بنا کر خود پر پرفیوم چھڑک کر اس نے جوتا بدلا تھا۔ اس وقت ایک جاگیردار کے روپ میں تھا۔

شہوار منہ پھلائے لب بھینچے کھڑی تھی۔ مصطفیٰ نے اپنا موبائل اٹھایا تو ٹون بجی تھی۔ کوئی انجان نمبر تھا۔ اس نے اوپن کیا تھا لیکن پھر ساکت ہو گیا تھا۔

موبائل پر ایک تصویر تھی۔ ایک چہرے کو تو وہ بہت اچھی طرح جانتا تھا اور دوسرا چہرہ مصطفیٰ نے پلٹ کر شہوار کو دیکھا تھا وہ ہنوز منہ پھلائے رخ موڑے کھڑی تھی۔

''تم آج کہاں تھیں؟'' اس کا انداز سنجیدہ تھا۔

''آپ سے مطلب؟'' شہوار خفا تھی بدتمیزی سے کہا۔ مصطفیٰ کے چہرے کے تیور بدلے تھے۔

''جو پوچھا ہے وہ بتاؤ۔'' انداز میں سختی تھی شہوار نے غصے سے دیکھا۔

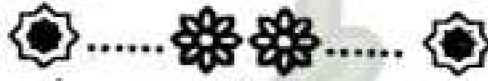
''کیوں بتاؤں، آپ کہاں جاتے ہیں کہاں ہوتے ہیں مجھے تو کبھی نہیں بتایا۔'' وہ آج پہلی بار مصطفیٰ سے کسی معاملے میں بحث کر رہی تھی اور وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کا یہ خفا انداز اور بحث کرتا لہجہ اس کی زندگی کو ایک بہت ہی بھیانک موڑ تک لے جانے والا ہے۔

''شٹ اپ۔'' مصطفیٰ ایک دم زور سے چیخا۔ شہوار ایک دم چونکی اور مصطفیٰ کے تیور...... مصطفیٰ کا انداز...... اس کا لہجہ...... اس کی آنکھوں کی گرمی

''کہ...... کہ...... کیا ہوا ہے؟'' وہ ایک دم ساری ناراضگی بھلا کر بولی۔

''تم......'' وہ کچھ کہنے والا ہی تھا کہ اس کا موبائل پھر بج اٹھا۔

مصطفیٰ نے بہت ناراضگی سے موبائل کو دیکھا اور پھر اسے جیب میں ڈال کر پلٹا۔
''کیا ہوا ہے، ایسے کیوں جارہے ہیں؟'' شہوار ایک دم پیچھے بھاگی تھی۔
مصطفیٰ بغیر کچھ کہے تیز تیز قدم اٹھاتا کمرے سے نکلا تھا وہ بھی پیچھے بھاگی تھی راہداری میں جاکر فوراً راستہ روکا تھا وہ ننگے پاؤں تھی دوپٹہ کندھے پر جھول رہا تھا۔
''کیا ہوا ہے، بتائیں تو صحیح؟'' وہ روہانسی ہوئی۔ اس نے مصطفیٰ کی محبت کو بادل کی طرح برستے دیکھا تھا یہ تیور، یہ لہجہ، یہ انداز تو کبھی بھی نہ تھا۔
''مجھے دیر ہورہی ہے شہوار، رستہ چھوڑو۔'' وہ سختی سے بولا تھا۔
''نہیں، پہلے بتائیں کہ کیا ہوا ہے؟'' وہ لاڈ سے مصطفیٰ کے کندھے پر دونوں ہاتھ رکھ کر بولی۔
''کچھ نہیں ہوا، جاؤ یہاں سے۔'' بے دردی سے اس کا ہاتھ جھٹک کر اسے پیچھے دھکیلتے وہ تیز تیز قدم اٹھاتے باہر نکل گیا تھا۔ شہوار حیرت سے گنگ اسے جاتے دیکھ رہی تھی۔
مصطفیٰ کو یہ ایک دم کیا ہوا تھا؟ وہ بھلا ایسا کیوں کررہا تھا۔ وہ صدمے سے گنگ تھی۔
دائیں کندھے پر دوپٹا لیے ننگے پاؤں آنکھوں میں آنسو سموئے وہ عجیب بے یقین انداز میں کھڑی تھی۔
''چہ...... کیا ہوا؟'' دریہ نجانے کہاں سے نکل کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ اور آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔
''مصطفیٰ چھوڑ کر چلا گیا کیا؟'' اس نے جھک کر پوچھا تو شہوار کا دل ایک دم دہل اٹھا تھا۔
''اللہ نہ کرے۔'' وہ بڑبڑائی تھی ایک بہت تلخ نگاہ دریہ پرڈال کر وہ پلٹی تھی۔ دریہ کی بات نے اس کے دل کو بڑے عجیب سے انداز میں چھوا تھا۔ دریہ جیسی بدزبان لڑکی کے منہ لگنا بھی اب اپنی توہین سمجھتی تھی۔
''سنو۔'' شہوار نہ چاہتے ہوئے بھی رک گئی تھی۔
''تم اپنا حسن آزماؤ اور ہم اپنی ذہانت آزماتے ہیں پھر دیکھتے ہیں کہ کس کی جیت ہوتی ہے۔'' وہ مزے سے کہہ کر وہاں سے چلی گئی اور شہوار دم بخود اس کے الفاظ کا پس منظر جاننے کی کوشش میں لگ گئی تھی۔



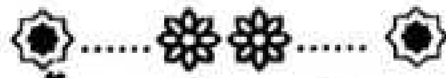
''تم ایک دو ٹکے کی لڑکی کے لیے ہماری خاندانی بیٹی کو اذیت کی سولی پر لٹکاؤ گے۔'' وہ واپس لوٹے تو بابا صاحب نے طلب کرلیا تھا۔
''دو ہفتے اس حرافہ کے پاس گزار کر آئے ہو اگر تم اس بھول میں ہو کہ ہم تمہاری ضد پر سر جھکا کر اسے قبول کرلیں گے تو یہ تمہاری بھول ہے ہماری زندگی میں یہ ظلم نہیں ہوگا۔'' وہ غیض و غضب کی تصویر بنے ہوئے تھے۔
''بابا صاحب وہ میری بیوی ہے آئندہ اگر آپ نے اس کے لیے کوئی غلط لفظ استعمال کیا تو......!'' کچھ جذباتیت میں کہتے کہتے وہ رک گئے تھے۔
بابا صاحب ایک دم بپھرے شیر کی طرح حیات علی کی طرف بڑھے تھے۔
''تو کیا کرو گے تم ہمیں جان سے مار ڈالو گے لو، مارو ہمیں لو پکڑو ہم بھی دیکھتے ہیں ہمارے ہی بل بوتے پر پروان چڑھنے والے اس خون میں کتنا دم خم ہے۔'' ہاتھ میں پکڑی لاٹھی کو زبردستی حیات علی کو پکڑاتے وہ چیخے تھے۔ حیات علی ساکت سے ہوگئے تھے۔
''ایک بدکردار عورت کے پاس جانے کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ آج تم ہمارے منہ کو آرہے ہو، باپ کو دھمکیاں دے

رہے ہو، نجانے کس گندی نالی کا گندہ خون ہے جسے تم اپنی بیوی بنا چکے ہو۔" بابا صاحب حد سے گزر چکے تھے اور حیات علی نے مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔

"پیسے کی خاطر سب کچھ بیچ دینے والی ان لڑکیوں کی حقیقت میں اچھی طرح جانتا ہوں آئندہ تم اس لڑکی کے پاس نہیں جاؤ گے۔"

"ایک بات طے ہے بابا صاحب وہ لڑکی نہ تو کوئی آوارہ ہے اور نہ ہی بدچلن اس کا کردار اتنا ہی شفاف ہے جیسا کہ کسی بھی پاک گھرانے کی لڑکیوں کا ہوسکتا ہے رہ گئی اس سے نہ ملنے کی بات تو اگر میں اس کے پاس نہیں جاؤں گا تو پھر زبیدہ کے پاس بھی نہیں جاؤں گا۔" وہ بھی ہر طرح کے نتائج سے بے پرواہ ہوکر کہہ کر پلٹے تھے لیکن وہ پھر ساکت ہوگئے تھے۔ دروازے پر زبیدہ کھڑی تھی۔ حیران پھٹی پھٹی آنکھوں میں بے اعتباری اور مان ٹوٹ جانے کا غم لیے ایک نڈھال عورت۔

بابا صاحب بھی چونکے تھے اس سے پہلے کہ دونوں میں سے کوئی آگے بڑھتا زبیدہ ایک دم تیزی سے پلٹی اور دروازہ کھول کر ایک دم باہر نکل گئی تھی۔



انا گم صم سی تھی ولید کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا صبوحی بھی ہمراہ تھیں صبوحی اور ولید دونوں کو کافی گہری چوٹیں آئیں تھیں۔ ولید کے سر پر چوٹ لگی تھی وہ انڈر آبزرویشن تھا جب کہ صبوحی کو کمرے میں منتقل کردیا گیا تھا۔ ضیاء ماموں صدمے سے نڈھال تھے۔

روشی کی جو کنڈیشن تھی ایسے میں یہ سانحہ عجیب سے حالات میں پھنس گئی تھی احسن نے ہی سب کو سنبھال رکھا تھا وقار صاحب ضیاء صاحب کو متواتر تسلیاں دے رہے تھے جن کی نگاہیں آئی سی یو میں لیٹے وجود کے کمرے کے دروازے پر چسپاں ہوگئی تھیں اور انا وہ پتھر کی طرح ایک طرف کھڑی سب کو دیکھ رہی تھی۔

اس نے چاہا تھا کہ وہ ولید کی زندگی سے نکل جائے لیکن اس نے یہ کبھی نہیں چاہا تھا کہ ولید اس حالت میں اس کے سامنے ہو۔ اسے لگ رہا تھا کہ جیسے کسی نے اس کے وجود کو زور سے جھنجھوڑ دیا ہو۔ وہ رونا چاہتی تھی۔ اونچی اونچی آواز میں چیخنا چلانا چاہتی تھی لیکن کچھ بھی نہیں کر پارہی تھی اس نے ولید سے شادی سے انکار کیا تھا۔ اس کا جرم ثابت تھا۔

وہ بھلا چیختی روتی تو یہ سب لوگ کیا کہتے جن کو اس نے یقین دلایا تھا کہ وہ حماد سے محبت کرتی ہے وہ حماد سے شادی کرنا چاہتی ہے وہ حماد جس کے والدین کو اس کے باپ نے گھر بلا کر رشتے کی بات کی تھی۔ وہ بھلا اب کیا کرتی...... کیسے روتی؟ وہ ساکت سی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑی تھی۔

صبوحی کے پاس ایک وقت میں صرف ایک بندے کو ٹھہرنے کی اجازت تھی وہ ابھی ٹرینکولائزز کے زیر اثر تھیں روشی ان کے پاس تھی۔

ولید کی کنڈیشن ہنوز وہی تھی۔ احسن ڈاکٹرز سے مل کر آیا تھا وہ پریشان تھا ڈاکٹرز نے کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا تھا وہ واپس آیا تو وقار صاحب کے گلے لگ کر رو دیا۔ باقی سب کے تو ہاتھ پاؤں ہی پھول گئے تھے۔

"کیا ہوا، کیا کہتے ہیں ڈاکٹرز؟" وقار صاحب نے پوچھا اور ضیاء صاحب ٹکر ٹکر دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ انا کے دل کو عجیب سا احساس ہونے لگا تو وہ بھی قریب آگئی۔

"کیا کہتے ہیں ڈاکٹرز؟" اس سارے عرصے میں وہ پہلی بار خود سے مخاطب ہوئی تھی۔ ورنہ وہ تو یوں ہوگئی

تھی گویا سب اپنوں میں کوئی اجنبی آ کر رہنے لگا ہو۔
"وہ کوئی امید نہیں دلا رہے، کہتے ہیں دماغ کی چوٹ ہے کور کرلیا تو ٹھیک ورنہ کوما میں چلے جانے کے بھی چانسز ہیں۔"
"نہیں......" وہ ایک دم منہ پر ہاتھ رکھ کر پیچھے ہٹی تھی۔
"کوما میں چلے جانا" اسے لگا کہ جیسے اس کے جسم سے روح نکلنے لگی ہو، وہ ایک دم دیوار پر ہاتھ ٹکاتے زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔
"ڈاکٹرز کہتے ہیں کہ بس دعا کریں آپ سب کی دعائیں ہی واپس لاسکتی ہیں اسے۔" انا کو لگ رہا تھا کہ جیسے یہ سب سننے کی اس میں ہمت نہیں ہے۔
"انا......" وہ گھٹنوں میں سر رکھے بیٹھی ہوئی تھی۔ روشی کی آواز پر سر اٹھا کر دیکھا تو متوحش نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔
"کیا ہوا؟" وہ روشی کے چہرے کو دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔
"تم ٹھیک ہو؟" بھائی کے غم میں نڈھال وہ اس سے پوچھ رہی تھی کہ وہ ٹھیک ہے۔ ایک دم انا کو لگا کہ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی ہوں جیسے۔ وہ بے اختیار اس کے گلے لگ کر سسک اٹھی تھی۔
"ایسا کیوں ہوا؟" وہ ہچکیوں میں رو رہی تھی۔
"میں نے کبھی نہیں چاہا کہ انہیں کچھ ہو۔" اس کی سسکیوں میں شدید اضافہ ہوا تھا۔
"انا بس دعا کرو میرے بھائی کو کچھ بھی نہ ہو وہ بچ جائیں گے جیسے صبوحی پھپھو بچ گئی ہیں تم دعا کرو بس۔"
روشی خود بھی رو رہی تھی انا کے وجود کو ایسے لگ رہا تھا جیسے کسی نے پہاڑ تلے کچل ڈالا ہو۔
وہ دونوں سسکتی رہی تھیں' ایسا ماحول تھا کہ ضیاء صاحب گم صم سے سب کو دیکھ رہے تھے۔
"احسن! روشی کو گھر لے جاؤ انا اپنی امی کی پاس رک جاتی ہے' ہم دونوں ادھر ہیں ڈاکٹرز اور یہاں کے معاملات ہم دیکھ لیں گے۔" روشی کو اس طرح روتے دیکھ کر ضیاء صاحب کے اندر عجیب سی کیفیت پیدا ہوئی تھی انہوں نے دھیمے سے کہا تو وقار صاحب نے بھی دونوں کو دیکھا۔
روشی کا رونا تو سمجھ آ رہا تھا لیکن یہ انا...... یہ کیوں رو رہی تھی۔ ان کے اندر عجیب سی کیفیت پیدا ہو رہی تھی۔ وہ کچھ دیر قبل پتھر کی طرح ساکت تھی تو تبھی اس کو دیکھ کر دل کے اندر عجیب سے احساسات پیدا ہو رہے تھے اور اب تو وہ رو رہی تھی۔ انہیں یاد آیا انہوں نے انا کو بہت لاڈ اور ناز و نعم سے پالا تھا۔ احسن سے بڑھ کر پیار دیا تھا پھر نجانے کہاں کمی آ گئی تھی جو اس نے اپنی راہیں خود تلاش کرنا شروع کردی تھی۔ انہوں نے رخ پھیر لیا تھا۔
احسن اور روشی جانے پر آمادہ نہ تھے لیکن زبردستی جانے پر راضی کرلیا تھا ان کے جانے کے بعد انا صبوحی بیگم کے پاس آ گئی تھی۔ صبوحی بیگم کو بہت چوٹیں آئی تھیں' ان کا بایاں ہاتھ بھی فریکچر ہوگیا تھا۔ اس کے علاوہ ونڈ اسکرین ٹوٹنے سے کئی جگہ شیشوں نے بھی زخمی کیا تھا۔ ان کے ہاتھ پاؤں پٹیوں میں جکڑے ہوئے تھے چہرے پر بھی زخم تھے۔ سر پر بھی پٹی تھی تاہم وہ خطرے سے باہر تھیں ولید کی نسبت ان کی حالت قابل رحم تھی۔ نرس وہاں موجود تھی وہ اٹیچ واش روم میں چلی گئی' اس نے نرس سے جائے نماز مانگی جو اس نے کہیں سے لادی اور پھر وہ رو رو کر اللہ تعالیٰ سے ولید کی زندگی کی دعائیں مانگنے لگی تھی۔



مصطفیٰ دو بجے کے قریب فارغ ہوا تھا اس نے موبائل آف کر دیا تھا۔ یہ ایک اہم کیس تھا جو اس کے ذمہ تھا۔ جس پر وہ دن رات کام کر رہا تھا آج آخر کار یہ تکمیل کو پہنچا تھا' وہ سارے کام نبٹا کر اٹھا تو موبائل آن کیا تو کئی میسجز تھے۔

''مصطفیٰ! کہیں بھی ہو فوراً رابطہ کرو ولید اور ماما کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ بہت سیریس کنڈیشن میں ہیں دونوں۔'' مصطفیٰ کے ایک دم رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔

وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسا کوئی میسج اس کا منتظر ہو سکتا ہے۔ میسج رات نو بجے آیا تھا جبکہ وہ شام سات بجے گھر سے نکلا تھا اور گھر سے نکلنے کے بعد اس نے سیل آف کر دیا تھا۔ مصطفیٰ کا ارادہ اب سیدھا گھر جانے کا تھا لیکن یہ میسج پڑھنے کے بعد اس نے عباس بھائی کے نمبر پر کال کی تھی۔ وہ سوئے ہوئے تھے انہیں ساری صورت حال بتا کر انہوں نے فوراً پہنچنے کا کہا اور خود احسن کے نمبر پر کال ملائی' احسن گھر جا چکا تھا اس نے ہاسپٹل کا نام اور ولید کی کنڈیشن بتا دی تھی۔

مصطفیٰ نے عباس کو کال کر کے سیدھا ہاسپٹل پہنچنے کا کہا اور خود اپنی گاڑی پر روانہ ہو گیا تھا۔ وہ جب ہاسپٹل پہنچا وہاں وقار اور ضیاء صاحب کے علاوہ انا ہی تھے۔

''اب کیسا ہے ولید؟'' وقار صاحب نے نفی میں سر ہلایا تو مصطفیٰ کو لگا وہ بالکل ساکت ہو گیا ہے۔ ایک جیتا جاگتا انسان بالکل اس طرح ساکت ہو جائے' زندگی سے ہی منہ موڑ لے۔

وہ ضیاء اور وقار صاحب دونوں کو دلاسہ دینے لگا تھا ضیاء صاحب کی کنڈیشن خود صدمے سے چور قابل رحم تھی۔ عباس بھی کچھ دیر میں پہنچ گیا تھا ساتھ میں مہر النساء آنٹی بھی تھیں۔

عباس نے ڈرائیور کے ہمراہ ضیاء صاحب کو گھر بھیج دیا تھا' وقار صاحب جانے پر آمادہ نہ تھے۔ مہر النساء کی آمد سے انا کو ایک ڈھارس سی ملی تھی۔

''شہوار نہیں آئی؟''

''اسے ہم نے بتایا ہی نہیں' خوامخواہ پریشان ہوتی صبح آرام وسکون سے آ جائے گی۔'' انا نے محض سر ہلا دیا تھا۔ مہر النساء ساتھ چائے لائی تھیں انہوں نے زبردستی سب کو چائے پلائی۔ مصطفیٰ خود ہی ڈاکٹرز سے رابطہ کر رہا تھا' بھاگ دوڑ کر رہا تھا۔ عباس کے وجود سے بھی کافی ڈھارس ملی ہوئی تھی سب کو' مصطفیٰ چار بجے کے قریب خود ڈاکٹر کے پاس چلا آیا تھا۔

''ڈاکٹر صاحب کچھ تو بتائیں آخر کب تک وہ اسی کنڈیشن میں رہے گا؟''

''دیکھیں ہم کوششیں تو کر سکتے ہیں لیکن زندگی اور موت دینے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ہم اس معاملے میں بالکل بے بس ہیں' مریض کو کافی چوٹیں لگی ہیں وہ سب قابل علاج ہیں لیکن سب سے شدید چوٹ ان کے سر کی ہے جس نے ان کے دماغ کو ہٹ کیا ہے۔ ہم اپنی سی کوشش کر چکے ہیں اب اللہ پر چھوڑ دیں' وہی شفا دینے والا ہے۔ اگر صبح تک مریض کو ہوش نہ آیا تو زیادہ چانسز کومہ میں جانے یا پھر دوسری صورت ایکسپائر ہونے کے ہیں۔'' ڈاکٹر نے سب کچھ واضح کر دیا تھا۔

مصطفیٰ کو لگ رہا تھا کہ جیسے کوئی اس کے دل کو سینے سے نکال کر مسل رہا ہو لحہ بہ لحہ موت کی طرف ہوتا یہ سفر رک بھی تو سکتا تھا۔ وہ آئی سی یو کے دروازے تک آیا' آفیسر ہونے کی وجہ سے اسے کافی رعائیت تھی وہ دروازہ کھول کر اندر آ گیا تھا۔ وہاں ایک ڈاکٹر اور نرس موجود تھے۔ مختلف مشینیں اپنا کام کر رہی تھیں۔ آکسیجن ماسک

عید قرباں اور ہم

جس طرح عید الفطر کی اپنی تیاری اور خوب صورتی ہے اسی طرح عید الضحیٰ بھی اہمیت کی حامل ہے۔ گوکہ عید الضحیٰ کا تہوار خاص مردوں سے منسوب ہے جانور لانا ان کی دیکھ بھال کرنا اور پھر عید الضحیٰ کے دن سنت ابراہیمی کی ادائیگی، لیکن عید کا اختتام بس یہیں نہیں ہوجاتا اس کے بعد کے مراحل سے گزر کر یقیناً سب ہی تھک جاتے ہوں گے۔ قصائی سے گوشت بنوانا اور پھر اس کی تقسیم کا تھکا دینے والا مرحلہ، لیکن اس سب میں اگر خاتونِ گھر کو نظر انداز کیا جائے تو غلط ہے کیونکہ قربانی کے گوشت کو پکانے سے لے کر رشتہ داروں، محلے اور غربا میں تقسیم کا مرحلہ ان کے کاندھوں پر آتا ہے۔ عید الضحیٰ کی خوشی کے ان لمحات میں آنچل نے اپنے قارئین کے لیے سروے کا اہتمام کیا ہے ان سوالات کے مختصر جوابات، جلد از جلد ارسال کردیں تاکہ آنچل کے سنگ آپ بھی عید الضحیٰ میں شامل ہوسکیں۔

سوال نمبر ۱: عید الضحیٰ پر سب سے پہلے قربانی کے گوشت سے کون سی ڈش بناتی ہیں؟

سوال نمبر ۲: آج کل سنت ابراہیمی کو نمود و نمائش کا حصہ بنادیا گیا ہے آپ اس حوالے سے کیا کہیں گی؟

سوال نمبر ۳: قربانی کے گوشت سے ویسے تو بہت سی ڈیشز بنتی ہیں لیکن اس عید کے موقع پر کوئی ایسی ڈش جو گوشت کی بنی ہوئی نہیں ہو اور اس کی فرمائش کی جاتی ہو؟

سوال نمبر ۴: گوشت کی مناسب تقسیم بڑی ذمہ داری کا کام ہے آپ اسے کیسے پورا کرتی ہیں؟

سوال نمبر ۵: قربانی کے جانور سے متعلق کوئی خاص واقعہ جو آج بھی آپ کے لبوں پر مسکراہٹ لے آتا ہے؟

جوابات بھیجنے کی آخری تاریخ ۵ ستمبر ہے اور آپ اپنے جوابات ای میل بھی کرسکتی ہیں۔ info@aanchal.com.pk پر

لگا ہوا تھا۔ جسم پر مختلف جگہوں پر مرہم پٹی کی گئی تھی سر پر پٹی تھی ہاتھ بازوؤں' چہرے پر بھی زخم تھے۔ صاف لگ رہا تھا کہ گاڑی کس طرح ایکسیڈنٹ سے دوچار ہوئی ہوگی۔ مصطفیٰ بیڈ کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔

ولید کا پٹیوں میں جکڑا ہاتھ بستر کی سفید چادر پر تھا' مصطفیٰ نے آہستگی سے اس کے ہاتھ کو چھوا تھا تبھی دروازہ کھول کر کوئی اندر آیا تھا۔ مصطفیٰ نے دیکھا' وہ انا تھی وہ اسے وہاں موجود پا کر رک گئی تھی۔

''آپ باہر چلی جائیں پلیز......'' نرس نے تیزی سے آگے بڑھ کر کہا۔

''پلیز سسٹر انہیں منع مت کریں آنے دیں۔'' مصطفیٰ نے ایک دم ٹوکا تو نرس رک گئی۔

''آئیں' انا ادھر آجائیں۔'' مصطفیٰ نے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا تھا' انا اس کے پاس ہی آرکی تھی۔

''لیکن سر آئی سی یو میں کسی کو بھی رکنے کی اجازت نہیں۔'' ڈاکٹر نے بھی کہا تھا۔

''ہم کچھ دیر میں چلے جائیں گے۔'' مصطفیٰ کا انداز حتمی تھا' وہ دونوں خاموش ہوگئے تھے۔

انا بے یقینی سے ولید کو دیکھ رہی تھی شیشے کے اس پار سے دیکھنا اور اندر آکر دیکھنے میں بہت فرق تھا' ولید کا آدھے سے زیادہ وجود پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ اس نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا تھا' اس نے کبھی بھی نہیں سوچا تھا کہ ولید کو اس حالت میں دیکھے گی۔ اس کی سسکیاں اس کے آنسو بے اختیار تھے۔ اس کا وجود زلزلوں کی زد پر تھا۔

ایک پہاڑ جیسا وجود جسے ڈھایا نہ جاسکتا ہو اس وقت بالکل بے بس حالت میں ہاسپٹل کے بستر پر آکسیجن ماسک کے سہارے سانس لیتا زندگی کی سانسیں گن رہا تھا۔

''آئیں اب چلتے ہیں۔'' مصطفیٰ کی اپنی آنکھیں نم ہوچکی تھیں۔ نمی صاف کرتے اس نے انا سے کہا تو انا اسی طرح کھڑی رہی تو مصطفیٰ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''باہر چلتے ہیں۔''

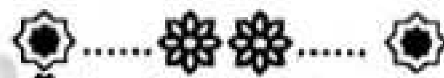
''مجھے یہیں رہنے دیں۔'' آنسوؤں سے بھری آنکھوں سے اس نے مصطفیٰ کو دیکھ تو اس نے بے بسی سے ڈاکٹرز کو دیکھا۔

''بس تھوڑی دیر...... میں پھر آجاؤں گی۔'' وہ التجا کررہی تھی، مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔

واقعی کسی نے سچ ہی کہا ہے انسان کے اصل جذبات اور خلوص کا اندازہ مشکل وقت میں لگتا ہے۔ انا کی پوری ذات ایک ایسی کہانی سنارہی تھی جو پچھلے چند دنوں سے اس پورے گھرانے پر ایک ٹینشن بن کر سوار تھی۔ انا ولید سے دستبردار ہوچکی تھی اس قدر شدید لگاؤ کہ آنسوؤں کی قطاریں رک نہ پائیں بھلا وہ کیسے دستبردار ہوئی ہوگی۔ مصطفیٰ نے اسے بغور دیکھا تھا۔ وہ ڈاکٹر کو ہدایت دیتا انا کو وہیں رک جانے کا کہہ کر باہر نکل گیا تھا انا نے مصطفیٰ کے جانے کے بعد پھر ولید کو دیکھا۔ پٹیوں میں جکڑا وجود انا کے اندر طوفانوں کو دعوت دے رہا تھا اس نے آہستگی سے ولید کے ہاتھ کو چھوا تھا۔

''پلیز مریض کو ڈسٹرب مت کریں اگر یہاں رکنا ہے تو ایک طرف بیٹھ جائیں۔'' نرس نے فوراً ٹوکا تھا انا رک گئی تھی۔ ورنہ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ پٹیوں میں لپٹے اس وجود کے ساتھ لپٹ کر دھاڑیں مار مار کر روئے۔ وہ خاموشی سے ایک طرف رکھی کرسی پر جا بیٹھی تھی۔ اس کی زبان پر پھر ذکر الٰہی اور مناجات جاری ہوگئی تھیں۔ وہ ایک بار پھر شدت سے روتے اللہ تعالیٰ سے سامنے لیٹے وجود کی زندگی کی دعائیں مانگنے لگی تھی۔

جسے وہ اپنی نادانیوں کے سبب کب کا کھوچکی تھی لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ اسے کھو کر وہ خود بھی جی نہیں سکتی تھی۔



زبیدہ اپنے میکے جارہی تھی، دونوں کے درمیان شدید لڑائی ہوئی تھی۔ زبیدہ کو اپنے مضبوط خاندانی پس منظر کا زعم تھا۔

''تو ٹھیک ہے اگر تم گئیں تو ہمیشہ کے لیے یہ حویلی چھوڑنا ہوگی اور میرے بچوں کے سوا جو کچھ بھی لے جانا چاہتی ہو لے جاؤ۔'' حیات علی نے فیصلہ سنادیا تھا۔ وہ تڑپ اٹھی تھی۔ وہ اولاد کی محبت میں مر مٹنے والی عورت تھی ایک دم شوہر کی بے وفائی سن کر کیسے برداشت کرلیتیں۔

''وہ میرے بھی بچے ہیں میرے ساتھ جائیں گے۔ آپ نے جو دوسری کی ہے وہ لے آئیں اولاد تو وہ ویسے بھی ساتھ لائے گی۔'' صاف جواب دیا تھا۔

''میں فیصلہ سناچکا ہوں آگے تمہاری مرضی۔'' وہ بات ختم کرکے کمرے سے باہر نکلنے لگے تھے۔ زبیدہ ایک دم سامنے آرکی تھی۔

''آپ میرے بابا اور بھائیوں کو بھول گئے ہیں کیا، میں چاہوں تو ابھی سب یہاں آکر آپ سے اس ناانصافی کا حساب مانگ لیں گے، مجھے ڈرائیں مت میں بچوں کو ساتھ لے کر جاؤں گی۔''

''میں بار بار فیصلے نہیں بدلا کرتا، میں نے دوسری شادی کی ہے کوئی گناہ نہیں کیا اور نہ ہی میں اسے چھوڑوں گا میں تمہاری ان باپ اور بھائیوں والی دھمکی سے نہیں ڈرنے والا۔'' وہ کہہ کر نکل گئے تھے۔

تبھی بابا صاحب آگئے تھے انہوں نے روتی دھوتی بہو کو نجانے کیسے رام کیا تھا کہ اب تک حویلی چھوڑ کر نہیں

تین چیزیں

پاک رکھو۔ جسم‘ لباس‘ خیالات
قابو میں رکھو۔ زبان‘ نفس‘ غصہ
یاد رکھو۔ موت‘ احسان‘ نصیحت
برداشت نہ کرو۔ ناحق‘ جھوٹ‘ فحاشی
حاصل کرو۔ علم‘ دعا‘ اعتماد
ضائع نہ کرو۔ صلاحیت‘ موقع‘ دوست
کبھی نہ توڑو۔ دل‘ عہد‘ قانون
چھوٹا نہ سمجھو۔ فرض‘ قرض‘ مرض
ایک بار ملتے ہیں۔ والدین‘ وقت‘ زندگی
ذلیل کرتی ہے۔ چوری‘ چغلی‘ چاپلوسی
دھیان سے اٹھاؤ۔ قدم‘ قلم‘ قسم
پابندی سے پڑھتے رہو۔ نماز‘ قرآن‘ درود

نائلہ اشفاق......کوٹ غلام محمد

عشق کا خمیازہ

ایک شخص نے بس میں اپنے قریب بیٹھے ہوئے مایوس اور افسردہ شخص کو دیکھ کر باتوں باتوں میں کہا۔ مجھے لگتا ہے کہ جیسے آپ نے زندگی میں عشق کیا اور ناکام ہوگئے۔
وہ صاحب جھلا کر بولے۔ میں نے زندگی میں ایک ہی بار عشق کیا تھا اور بدقسمتی سے کامیاب ہوگیا۔

سمیرا مشتاق ملک......اسلام آباد

گئی تھی۔ حیات علی سے بات چیت بند تھی‘ زبیدہ نے کسی کو بھی کچھ نہ بتایا تھا۔ حیات علی اگلے مہینے شہر جانے پر تیار ہوئے تو بابا صاحب نے روک لیا تھا۔

”اگر تم اس عورت سے اب ملے تو میں تمہیں اپنی جائیداد ہر چیز سے عاق کردوں گا۔“ حیات علی چند پل کو خاموش ہوگئے تھے۔

”یہ زمین‘ یہ جاگیر‘ یہ جائیداد اس کا قانونی وارث ہوں بابا صاحب! میں آپ کے خلاف کوئی بغاوت نہیں کررہا۔ میں آپ سے محبت کرتا ہوں اگر آپ اس لڑکی سے نفرت کرنے کی بجائے اسے اس حویلی میں پناہ دے دیتے تو میں ساری عمر آپ کا مشکور رہتا لیکن اب میں اسے نہیں چھوڑوں گا بھلے آپ مجھے عاق کردیں یا دستبردار۔“ انداز حتمی اور فیصلہ کن تھا‘ بابا صاحب نے بغور بیٹے کو دیکھا۔ وہ مکمل طور پر بغاوت پر آمادہ تھا۔ اس پر ان کی کوئی بھی نصیحت کوئی بھی بات کچھ بھی اثر نہیں کرنے والی تھی۔

”جانے سے پہلے سن لو لوٹ کر یہیں آؤ گے تم ایک دن اور تب تمہیں علم ہوگا کہ باپ کتنا سچا تھا۔“ حیات علی خاموشی سے وہاں سے چلے آئے تھے۔ زبیدہ حیات علی کے جانے کے بعد شدت سے روئی تھی۔

”مت رو بیٹی مت رو تو جتنا روئے گی اتنا ہی زیادہ اس لڑکی کو تیرے آنسوؤں کا حساب دینا ہوگا۔ ابھی تک

تو میں اپنے خون کو ہی آزمارہا تھا اب دیکھتا ہوں اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔'' ان کے لہجے میں بہت دور کی سوچ تھی' زبیدہ کی سسکیاں آہستہ آہستہ تھمنے لگی تھیں۔

❁ .... ❁❁ .... ❁

ہادیہ کی ابوبکر کو کال آئی تھی' تعارف اور سلام دعا کے بعد وہ خاموش ہوگئی تھی۔

''کیسے کال کی آپ نے؟'' ابوبکر سنجیدہ تھا۔

''کیا میں آپ کو کال نہیں کرسکتی؟'' ہادیہ کے لہجے میں ایک ٹوٹا بکھرتا سا احساس تھا۔ ابوبکر نے ایک گہرا سانس لیا۔

''میں تو بہت عام سا انسان تھا ہادیہ! آپ نے اتنے سال کیوں برباد کردیے؟'' اس نے پوچھا۔

''میرے لیے آپ بہت خاص تھے' ہیں اور رہیں گے۔ مجھے اگر علم ہوتا کہ رابعہ اور آپ کے درمیان ایسا کچھ تعلق ہے تو یقین جانیے میں کبھی درمیان میں نہ آتی۔''

''رابعہ بہت اچھی اور نائس لڑکی ہے' اس کے ساتھ بہت زیادتی ہورہی ہے۔ میں ایک گلٹ محسوس کرتا ہوں۔'' ابوبکر نے کہا تو دوسری طرف کچھ پل کو خاموشی چھائی تھی۔

''کیا میں آپ کو پسند نہیں؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔

''ایسی بات نہیں' آپ بہت اچھی ہیں۔'' دوسری طرف اس ذراسی تعریف پر ہادیہ کھل اٹھی تھی۔

''آپ کو میرا کال کرنا بُرا تو نہیں لگا؟'' اس نے پوچھا تو ابوبکر مسکرادیا۔

''نہیں......'' اس نے ایمان داری سے کہا۔

''اس کا مطلب ہے میں آئندہ بھی کال کرسکتی ہوں۔''

''ابھی میرا پرپوزل انڈر پراسس ہے' میں بہت محتاط رہ کر زندگی گزارنے کا قائل ہوں پلیز مائنڈ مت کیجیے گا۔ میں اس طرح رات گئے کال کرنے کو سخت معیوب سمجھتا ہوں۔'' ابوبکر نے سنجیدگی سے کہا۔

''جی بہتر' میں آئندہ خیال رکھوں گی۔'' چند اور باتوں کے بعد ہادیہ نے کال ڈراپ کردی' ابوبکر موبائل ایک طرف رکھ کر پھر کچھ سوچنے لگا تھا اس کی زندگی نے عجیب سے انداز میں پلٹا کھایا تھا۔

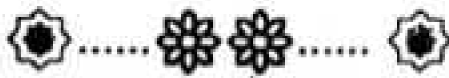
ہادیہ جیسی لڑکی کو اس کا نصیب بنانے کی کوشش کی جارہی تھیں' وہ تو رابعہ سے رشتہ طے ہونے کے بعد بھی پرسکون رہا تھا اب بھلا کیونکر بے قابو ہوجاتا۔ ہادیہ کا باپ نجانے کیا فیصلہ کرنے والا تھا' اک نئی سوچ نے دماغ کو گھیر لیا تھا۔

❁ .... ❁❁ .... ❁

شہوار کی ساری رات آنکھوں میں کٹی تھی' رات گئے تک مصطفیٰ کا نمبر بند رہا تھا اور پھر جب آن ہوا تو اس نے کئی کالز کی تھیں لیکن کوئی بھی کال ریسیو نہیں کی گئی تھی اور پھر فجر کے بعد اس کی کال بار بار کاٹی جارہی تھی۔

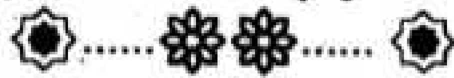
اس نے بڑی بے چینی کی حالت میں فجر کی نماز پڑھی تھی' نماز سے فارغ ہوئی تو بھی دل پریشان تھا۔ اس نے پھر نمبر ملایا لیکن اس بار بھی کال پک نہ کی گئی تھی۔ وہ مایوس ہوگئی تھی' جانے یہ بیٹھے بٹھائے کیا ٹینشن آپڑی تھی۔ وہ سسک اٹھی تھی وہ موبائل اٹھا کر باہر لان میں آگئی تھی' اپنی مخصوص جگہ جھولے پر آبیٹھی تھی۔ صبح کا روح پرور منظر بڑا دلکش تھا' اس نے کئی بار نمبر ملایا لیکن اس بار نمبر آف تھا' اس کا دل کٹنے لگا۔ وہ ابھی جھولے پر ہی تھی جب گیٹ کھلا اور گاڑی اندر داخل ہوگئی تھی' گاڑی سے ماں جی اور عباس کو نکلتے دیکھ کر وہ چونکی تھی۔

''آپ دونوں کہاں تھے؟'' سلام دعا کے بعد اس نے پوچھا۔
''ہم ہاسپٹل میں تھے۔''
''جی......؟'' وہ چونکی۔ تبھی ماں جی نے اسے ساری بات سنائی اور وہ منہ پر ہاتھ رکھے سب سن رہی تھی۔ اتنا کچھ ہو چکا تھا اور اسے خبر ہی نہ تھی اور مصطفیٰ کا کیا تھا کم از کم ایک بار کال ہی ریسیو کر کے بتا دیتا۔ وہ خاموشی کے ساتھ ان کے ساتھ اندر آ گئی تھی۔
ماں جی کے بتانے کے مطابق صبوحی آنٹی کو رات بھر میں ایک بار ہوش ضرور آیا تھا جبکہ ولید کی کیفیت ابھی بھی وہی تھی۔ مصطفیٰ اور ولید کی دوستی ایک طرف شہوار کو انا کے حوالے سے بھی ولید بہت پسند تھا' اور اب یہ سن سب کر وہ حقیقی طور پر دکھی ہوئی تھی اس نے سوچ لیا تھا کہ اب جو بھی ہاسپٹل جائے گا وہ اس کے ساتھ ہی جائے گی' وہ خاموشی سے واپس اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔



حیات علی نے زیب النساء کو نہیں بتایا تھا کہ وہ حویلی چھوڑ کر آیا ہے' دونوں کا وقت بہت خوش گوار انداز میں گزر رہا تھا۔ سبحان اور اس کی بیوی امریکہ جا چکے تھے' زیبن اپنی ماں کے غم سے باہر آ چکی تھی کبھی کبھار اس کی بہن بھی چھپ چھپا کر ملنے آ جاتی تھی' مہر النساء کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی تھی۔
زیب النساء حیات علی کے ہمراہ پہلی بار (شوہر کے ہمراہ) بہن کے ہاں گئی تھی لیکن اس کے شوہر کا سلوک از حد ہتک آمیز تھا۔ زیبن کے بار بار اصرار پر اسے ملنے کی اجازت دے دی تھی۔ وہ بہن کے پاس آ گئی تھی' مہر النساء کی بیٹی بہت پیاری تھی۔
''کیا نام ہے اس کا؟'' بھانجی کو پیار کرتے زیبن نے پوچھا۔
''افشاں......''
''ماشاء اللہ بہت ہی پیارا نام ہے۔''
''تم سناؤ تم ٹھیک رہتی ہو؟'' وہ اس کا حال پوچھنے لگی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ وہاں سے آنے لگی تو افشاں کو بہن کی گود میں ڈال کر پیشانی چومی تھی۔
''آپا تم دعا کرو میرا بیٹا پیدا ہو' تمہاری افشاں مجھے بہت پسند ہے اگر تمہارے شوہر نے کوئی اعتراض نہ کیا تو میں اسے اپنے بیٹے کی بیوی بنا کر اپنے گھر لے جاؤں گی اس طرح تمہارا شوہر تمہیں ہم سے ملنے تو دے گا نا۔''
زیب النساء کی بات پر مہر النساء ہنس دی تھی۔
''اور اگر بیٹی ہوئی تو......''
''اللہ نہ کرے۔'' زیبن نے دہل کر کہا۔
''کیوں؟''
''مجھے بیٹی کی قسمت سے بڑا خوف آتا ہے' ہم نے جو بھی حالات دیکھے ہیں لیکن ہمیں ذلت کے گڑھے میں دھکیل دینے والا کوئی اور نہیں ہمارا اپنا باپ تھا۔ مجھے ایک مجبور بے بس اور لاچار قسم کی بیٹی نہیں چاہیے' ایک مضبوط' توانا اور طاقت ور بیٹا چاہیے۔ نجانے کیوں کبھی کبھار اپنی قسمت سے ڈر لگنے لگتا ہے کم از کم بیٹا ہوگا تو میرے پاس جینے کی امید تو ہوگی۔'' آخر میں زیب النساء کا لہجہ افسردہ ہو گیا تھا۔
مہر النساء خود اس درد سے گزر رہی تھی وہ اس کی خلش جانتی تھی۔ وہ دونوں مہر النساء کے گھر سے واپس لوٹے

تو بابا صاحب آئے بیٹھے تھے۔ حیات علی بابا صاحب کو دیکھ کر چونک گئے تھے۔
''بابا صاحب آپ یہاں؟'' حیات علی کے کہنے پر زیبن چونکی تھی۔ بابا صاحب ان کے گھر میں اس کا چہرہ ایک دم چمکنے لگا تھا۔
''السلام علیکم بابا صاحب!'' بابا صاحب نے اس کی طرف ایک سرسری سی نگاہ ڈالی جو بڑی سی چادر میں وہ اپنے وجود کو لپیٹے ہوئے تھی چہرہ انداز بولنے کا سبھاؤ کسی بھی چیز میں کمی نہ تھی۔
''ہم تمہیں لینے آئے ہیں۔'' بابا صاحب نے کہا تو حیات علی چونکے۔
''صرف مجھے......'' انہوں نے رکھائی سے پوچھا۔
''چاہتے تو ہم اطلاع بھجوا دیتے آنا یا نہ آنا تمہاری مرضی لیکن ہمیں ہماری بہو کے آنسوؤں نے مجبور کر دیا تھا۔ شاہزیب بہت بیمار ہے تمہیں بہت یاد کرتا ہے اگر آنا چاہو تو آ کر مل جاؤ۔'' وہ کہہ کر کھڑے ہو گئے تھے۔
''کیا ہوا شاہزیب کو؟'' شاہزیب ان کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا دونوں ایک دوسرے سے شدید محبت کرتے تھے۔
''اس کی بیماری ڈاکٹروں کے علم میں نہیں آ رہی تم آ جاؤ شاید تمہارے علم میں آ جائے۔'' انداز سنجیدہ تھا حیات علی نے زیبن کو دیکھا۔ وہ بابا صاحب کے رویے سے بجھ سی گئی تھی۔
''لیکن زیب النساء میرے ساتھ جائے گی۔'' حیات علی نے کہا تھا۔
''میرے ساتھ ضد مت باندھو۔ شاہزیب کی زندگی کا خیال نہ ہوتا تو میں کبھی ایسے گھر میں قدم نہ رکھتا جہاں بدکردار لوگوں کا ناپاک وجود بستا ہو۔'' انداز میں زعم اور حقارت تھی زیبن ایک دم کمرے میں بھاگ گئی تھی۔
اس قدر توہین...... وہ بھی سرعام گالی دی گئی تھی اسے منہ پر...... وہ شدت سے رو دی تھی۔ دونوں باپ بیٹے میں نجانے کیا معاملہ طے ہوا تھا وہ بے خبر تھی۔ کچھ دیر بعد حیات علی اس کے پاس آئے تھے۔
''میں بابا صاحب کے ساتھ جا رہا ہوں جیسے ہی شاہزیب ٹھیک ہوا میں آ جاؤں گا۔ تم اپنا خیال رکھنا' میں یہ پیسے رکھ رہا ہوں باقی رقم الماری میں موجود ہے۔ نجانے کتنے دن لگ جائیں تم پریشان نہیں ہونا میں جلد آنے کی کوشش کروں گا۔'' حیات علی کہہ رہے تھے اور زیب النساء خاموش تھی۔ وہ گم صم انداز میں حیات علی کا چہرہ دیکھ رہی تھیں نجانے اسے کیوں لگ رہا تھا کہ اب وہ کبھی یہ چہرہ نہیں دیکھ پائیں گی۔
حیات علی اس کی مٹھی میں کچھ رقم دے کر اس پر اپنی محبت برسا کر جا چکا تھا اور وہ بے حس و حرکت بیٹھی تھی۔



وہ بہت خوش تھا۔ اس کے ہاتھ ایسا نکتہ آیا تھا کہ اسے لگ رہا تھا کہ اب جیت صرف اسی کی ہے۔ مصطفیٰ کو ہرانے اور شہوار سے بدلہ لینے کا خیال اسے ہمہ وقت بے چین رکھتا تھا' مصطفیٰ کی کزن اس کے جھانسے میں آ چکی تھی۔ اس نے رات مصطفیٰ کو ایک تصویر سینڈ کی تھی مصطفیٰ کا نمبر دریہ سے لینا کوئی مشکل نہ تھا۔ تیر نشانے پر لگا تھا' یہ دریہ نے اسے بتا دیا تھا۔ تصویر کے نیچے اس نے ایک سطر لکھی تھی۔
''مسز شہوار مصطفیٰ اپنے لور کے ساتھ رنگ رلیاں مناتے ہوئے۔'' جملہ ایسا تھا جو کسی کے بھی سینے کو جلا کر خاکستر کر سکتا تھا۔ دریہ سے ملنے کے بعد اس نے اپنا پلان چینج کر لیا تھا۔ وہ اب دریہ کو مس یوز کرنا چاہتا تھا اور دریہ کے ذریعے وہ شہوار تک پہنچنا چاہتا تھا۔
وہ اچھی طرح جان چکا تھا کہ دریہ مصطفیٰ کو حاصل کرنا چاہتی ہے اور اس کے بدلے وہ کچھ بھی کرے گی اور

غزل

کبھی زندگی کا نام ہے محبت
کبھی موت کا پیغام ہے محبت
کبھی محبت ملتی ہے خو شی
کبھی غم سے کی شام ہے محبت
کبھی ہے محبت دل کی جلن
کبھی دل کا ارمان ہے محبت
کبھی محبت ہے ملن کا روپ
کبھی تنہائی کی شام ہے محبت
کبھی ہے محبت تنہائی کی گھڑی
کبھی رسوائی کا انجام ہے محبت
کبھی ہے محبت زمانے میں عزت
کبھی بے شرمی کا الزام ہے محبت
کبھی محبت ہے بے نام زندگی
کبھی زندگی کہتی ہے میرا نام ہے محبت

ماریہ کنول ماہی...... چک ورکاں

اب ایاز بہت خوش اور مگن اپنے اگلے اسٹیپ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

❁......❁❁❁......❁

ثریا بیگم کا ٹینشن سے بُرا حال تھا لیکن کوئی بھی انہیں بتانے کو تیار ہی نہ تھا۔ آخر یہ سب ہو کیا رہا ہے؟ شادی والا گھر ایک دم سنسان اور خاموش کیوں ہے؟'' وہ آتے جاتے بھی لوگوں سے پوچھ رہی تھیں۔ ابوبکر بے چارہ اوپر والے پورشن کے علاوہ کہیں اور دکھائی ہی نہیں دے رہا تھا۔ بھابی نے اماں کو بتایا تو وہ سب سن کر ششدر رہ گئیں۔

یہ سب بالا ہی بالا اتنا کچھ ہو گیا اور انہیں خبر ہی نہیں پھر وہ جو بولنا شروع ہوئیں تو فیضان' سہیل' رابعہ' ابوبکر سب کی خبر لے لی تھی۔

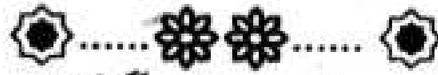
''میری کوئی حیثیت ہی نہیں ہے' بڑے بنتے سبھی فیصلے کرتے پھر رہے ہیں۔ ارے لوگوں کو کیا جواب دوں گی میں' آج میری بچی کی مہندی مایوں تھیں میں کس کس کا منہ بند کروں گی۔''

''اماں جو سچ تھا وہ سب بتا دیا ہے' ہادیہ اور رابعہ شروع سے ہی دوست رہی ہیں یہ سب جاننے کے بعد بھلا ہم رشتہ کیسے کر لیتے۔ اپنی بیٹی ہے وہ بھی' کیا اس کے دل سے کھیلتے۔'' ماں کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر ریلیکس کروانا چاہا۔

''ارے جاؤ مجھے نہیں سمجھ آنے والی تمہاری باتوں کی' مجھے یہ بتاؤ کہ میں لوگوں کو کیا جواب دوں گی کس کس کی زبان بند کروں گی' کون کیا سوچے گا کچھ یہ بھی سوچا ہے کہ نہیں۔''

''اماں ہم سب رشتہ داروں کو فون کر کے شادی سے منع کر چکے ہیں' چند احباب رہ گئے ہیں ان کو آج بتا دیں گے۔'' ثریا بیگم نے اپنا سر تھام لیا تھا۔

''ہائے میری بچی! اب کیا ہوگا اس کا؟'' وہ تو رونے لگی تھیں۔
''کیوں واویلا کررہی ہیں اتنا؟ اگر ہم عام انداز میں اس بات کو لیں گے تو یہ بات عام ہی رہے گی۔ ابوبکر بے چارہ تو آمادہ ہی نہ تھا بڑی مشکل سے منایا ہے اسے اور بس دعا کرو یہ بچی کے والدین ہاں کردیں پھر ہم نکاح کرنے جائیں گے۔ میں نے ابوبکر سے وعدہ کیا ہے اس کا سرپرست بن کر سب کام کروں گا' اب آپ ایک لفظ بھی مت کہیے گا۔'' فیضان ماموں بولے تو وہ خاموش ہوگئیں لیکن ان کا رونا اسی طرح جاری تھا۔
''ہر ایک اپنے مقدر کا پاتا ہے ہماری اور آپ کی مثال سامنے ہے۔ رابعہ بھی اپنے مقدر کا پالے گی۔''
''اللہ نہ کرے جو میری بچی کی زندگی ہم جیسی ہو' ہم نے تو بُرا بھلا وقت گزار لیا لیکن رابعہ کیسے کاٹے گی' سارا خاندان ناک میں دم کردے گا۔''
''کچھ نہیں ہوگا سہیل موجود ہے وہ ہینڈل کرلے گا بس آپ ریلیکس رہیں۔ اب ہم ہادیہ بچی کے معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے چکے ہیں اور آپ جانتی ہیں ہم جو کہتے ہیں وہ کرتے بھی ہیں۔'' ثریا بیگم خاموش ہوگئی تھیں۔ سہیل اور اس کی بیگم بھی قریب بیٹھ کر سمجھاتے رہے تو وہ بالکل ہی چپ ہوگئی تھیں۔
''رابعہ کی فکر نہیں کریں اللہ اس کے حق میں بہتر ہی کرے گا۔ میں خود کوئی اچھا سا لڑکا دیکھ کر اس کی شادی کروں گا۔ اب رابعہ خود شادی نہیں کرنا چاہتی تھی تو زبردستی نہیں کرسکتے تھے ہم اس صورت میں کہ ایک دوسری لڑکی جو ہادیہ کی سب سے قریبی دوست بھی کا معاملہ تھا ہم جان بوجھ کر یہ شادی نہیں کرسکتے تھے۔'' ثریا بیگم ساری بات سمجھ چکی تھیں انہوں نے محض اثبات میں سر ہلایا اور اٹھ کر کمرے میں چلی گئی تھیں اس کا مطلب تھا کہ وہ اب کسی سے بھی کوئی بات نہیں کرنا چاہیں گی' بھی خاموشی سے ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہ تھے۔



حیات علی کو قطعی علم نہ تھا کہ بابا صاحب اس کے ساتھ کیا گیم کھیلنے والے ہیں' وہ بابا صاحب کے ساتھ آگئے تھے۔ شاہزیب واقعی بیمار تھا اور باپ کو یاد بھی کررہا تھا۔ حیات علی کے آنے سے وہ کچھ بہتر ہونے لگا تھا۔
''ہم چاہتے ہیں تم کینیڈا چلے جاؤ کچھ دنوں کے لیے اس طرح شاہزیب کی طبیعت بھی سنبھل جائے گی۔'' کچھ دن بعد رات کو بابا صاحب نے حیات علی کو بلا کر کہا تو وہ حیران ہوئے۔
''شاہزیب کافی بہتر ہوچکا ہے' وہ ٹھیک ہے اب میں ان حالات میں کہیں بھی کیوں جاؤں گا؟''
''دیکھو حیات علی! ہم نے چپ سادھ لی ہے' تمہاری اس دوسری شادی کو بھی ماننے کو تیار ہیں مگر تم ہماری بھتیجی اور اپنے بچوں کے معاملے میں کوئی حق تلفی نہیں کرو گے۔'' بابا صاحب کا انداز ہارا ہوا تھا' حیات علی نے حیرت سے انہیں دیکھا۔
''یہ پتھر موم کیسے ہوا تھا؟'' وہ حیران ہوئے۔
''ہم ایک خاندان' ایک معاشرے میں جی رہے ہیں' ہماری کچھ ریتیں رواج ہیں' زبیدہ کو ہم سمجھا چکے ہیں وہ تمہاری دوسری شادی کے بارے میں کبھی بات نہیں کرے گی۔ تم بھلے اس لڑکی کی جیسے مرضی خبر رکھو' جو مرضی دو ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ اپنے خاندان اور اس کے رسم ورواجوں سے بغاوت نہیں کرسکتے' ہم نے تمہاری ایک بات مان لی ہے اب تم ہماری ایک بات مانو۔'' انہوں نے بہت سنجیدگی سے سب کہا تھا۔ حیات علی کا دل ایک دم نرم ہوگیا انہیں بابا صاحب سے ذاتی طور پر کوئی ایشو نہ تھا یہ تو سب ایک رشتے کی بقا کی جنگ تھی۔
''اچھی طرح سوچ سمجھ لو اگر ہماری باتیں سمجھ میں آجائیں تو ٹھیک ورنہ حویلی کے دروازے تمہارے رستے

مرحوم شوہر کے نام

یہ زندگی تیرے نام سجن
تیرے یاد ہے اپنا کام سجن
تیرے رخ کو تکتے رہنے سے
ملتا ہے آرام سجن
تیرے میٹھے بولوں سے
مٹتے ہیں آلام سجن
ہر پل تجھ کو چاہوں میں
ہر موڑ ہر اک گام سجن
میں تجھ سے مدام تجھے مجھ سے دوام
کریں آپس میں کلام سجن
جب تک ساتھ رہے دنیا میں
بن کے رہے انعام سجن
اب جس جنت کے باسی ہو
وہاں بھی حاضر سلام سجن
عشق سلامت تاقیامت
ہوگا سوہنا اختتام سجن

کوثر خالد...... جڑانوالہ

میں کبھی نہیں آئیں گے۔" بابا صاحب نے سارا فیصلہ ان کے ہاتھ میں دے دیا تھا' وہ سوچ میں پڑ گئے تھے۔

"لیکن جو بھی فیصلہ کرو اس میں اپنے بچوں اور ان کے مستقبل کے بارے میں ضرور سوچنا' شاہزیب بیمار نہ ہوتا تو ہم اپنی ضد پر اڑے رہتے۔ شاہزیب کی بیماری نے ہمیں توڑ دیا ہے اور ہم نہیں چاہتے کہ باقی بچے بھی ہمیں توڑیں۔" بابا صاحب سب کہہ کر اٹھ کر چلے گئے اور حیات علی ان کے سامنے دوراستے...... بابا صاحب نے سوچ سمجھ کر سب کچھ کرنے کو کہا تھا اور پھر انہوں نے بہت سوچا تھا۔

زبیدہ ان کی پہلی بیوی تھی وہ ایک وسیع جائیداد کے مالک بھی' جذباتیت میں سب چھوڑ دیتے تو پھر بھی زندگی نہیں گزرنے والی تھی۔ زیبن ان کے دل کا سکون تھی لیکن سب کچھ چھوڑنے کے بعد وہ اسے سکھی نہیں رکھ سکتے تھے۔ وہ اپنے خاندان اور اس کے رسم و رواج کو اچھی طرح جانتے تھے اور یہ بات بھی کہ ان کا خاندان کبھی بھی زیب النساء کو ان کی بیوی کے روپ میں قبول نہیں کرے گا۔ زندگی کو پل صراط بنانے سے بہتر تھا کہ جو جیسا ہے چلنے دیں۔ انہوں نے اپنا فیصلہ بابا صاحب کو سنا دیا تھا وہ صرف مسکرائے تھے۔

"ہم چاہتے ہیں تم کچھ دنوں کے لیے کینیڈا چلے جاؤ' اگر چاہو تو اس شہر والی لڑکی سے جا کر مل آؤ بتاؤ اسے۔" بابا صاحب نے خود کہا جسے سن کر وہ بابا صاحب کے مقروض ہو گئے تھے۔

"ہم اسے ایک حقیقت کی طرح قبول کر چکے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ تم بھی زبیدہ اور بچوں کو وہی پہلے جیسا ماحول دو' ہم تمہاری زندگی میں کوئی مداخلت نہیں کریں گے۔ بس تم ہمیں یہ گارنٹی دو کہ تم زبیدہ اور بچوں کی بھی حق

تلفی نہیں کرو گے۔''

''بابا صاحب اب آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔'' حیات علی نے کہا تو بابا صاحب نے سر ہلا دیا۔

''جیتے رہو۔'' انہوں نے ان کا سر تھپکا اور چلے گئے' انہیں کچھ دن کینیڈا جانے کی تیاریوں میں لگے تھے۔ بابا صاحب پاسپورٹ کاغذات سبھی کچھ پہلے ہی تیار کروا چکے تھے کچھ کام وہ خود بھی کر چکے تھے' جیسے ہی روانگی کی سیٹیں کنفرم ہوئیں وہ زیبن کے پاس چلے آئے لیکن زیبن گھر پر نہیں تھی۔

''کہاں گئی وہ؟'' گھر پر صرف کل وقتی ملازمہ تھی۔

''صاحب آپ کے جانے کے بعد ان کے ابا ان کو کہیں سے ڈھونڈتے آ گئے تھے' وہ روز آتے تھے اور انہیں ساتھ چلنے پر زور دیتے تھے۔ ایک دن رات کو آئے تھے زبردستی کرنے لگے بی بی کی طبیعت خراب ہوگئی تھی وہ تو چھوڑ کر بھاگ گئے بعد میں بی بی کی بہن آئی تھیں وہ انہیں اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئی تھیں وہ اب ادھر ہی ہیں۔''

''اوہ...... نجانے یہ منحوس صفدر اب پھر کہاں سے آ ٹپکا تھا۔'' ان کی کل کی فلائٹ تھی انہیں آج ہی زیبن سے مل کر واپس جانا تھا' وہ سوچ میں پڑ گئے تھے وہ مہر النساء کے گھر آئے تھے لیکن اس کا چوکیدار کسی بھی طرح دروازہ کھولنے پر راضی نہ تھا۔

''دیکھو تم مجھے جانتے ہو اچھی طرح' میری بیوی اندر ہے اسے بھیجو میں چلا جاؤں گا۔''

''صاحب ہم نے کہا نا کہ صاحب کی طرف سے نہ کسی کو باہر آنے اور نہ ہی کسی کو اندر جانے کا حکم ہے۔ صاحب ہم نوکری کرتے ہیں ہماری بھی مجبوری ہے' ہم تمہاری بات نہیں مان سکتے۔ ہمیں اندر کسی بھی قسم کی اطلاع پہنچانے سے منع کیا گیا ہے۔'' چوکیدار نے صاف انکار کر دیا تھا۔

عجیب بے بسی تھی وہ اپنی بیوی تک سے نہیں مل پا رہے تھے۔ نجانے کس حالت میں تھی وہ بے چاری' کب سے تھی یہاں؟ وہ بہت نامراد سے وہاں سے لوٹے تھے۔

وہاں سے لوٹتے وقت نجانے کیوں وہ از حد دکھی ہو رہے تھے۔ گاؤں واپس جانا تھا سارا دن ملاقات کے چکر میں اِدھر سے اُدھر بھاگتے وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا تھا۔ شام آ پہنچی تھی اور وہ نامراد ہی واپس گاؤں کو چل آئے تھے۔

اگلے دن ان کی فلائٹ تھی وہ زبیدہ اور بچوں کے ہمراہ جا رہے تھے' ایک ماہ کا قیام تھا۔ حیات علی نے سوچا کہ جیسے تیسے ایک ماہ گزار لیں گے پھر واپس لوٹے تو مل لیں گے۔ جاتے وقت انہوں نے خطیر رقم کا پیکٹ بخشو کے حوالے کیا تھا۔

''تم یہ رقم زیب النساء تک پہنچا دینا۔'' انہوں نے خاصی ہدایات کی تھی اور پھر چلے گئے تھے اور وہ نہیں جانتے تھے کہ قسمت ان کے ساتھ کیا کھیل کھیلنے والی ہے۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

